تذکرہ

حضرت دیوان شاہ صاحب (بھیمڑی)

مع

خاندان سادات

(ڈاکٹر) مومن محی الدین

ایم۔اے۔ پی ایچ ڈی (اڈنبرا)

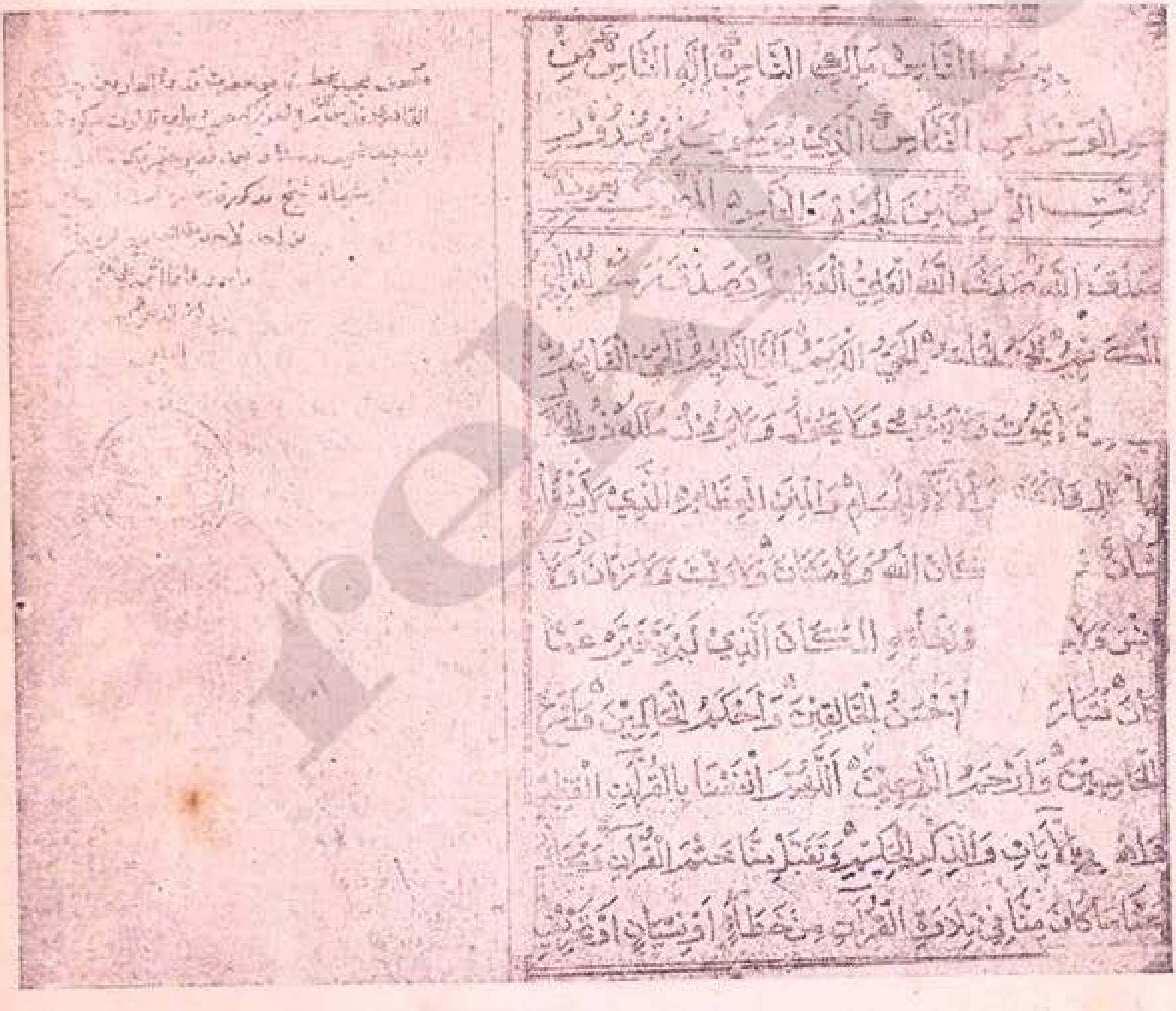
برب الناس ملك الناس اله الناس من
شر الوسواس الخناس الذي يوسوس في صدور الناس
من الجنة والناس
صدق الله العلي العظيم

عکسی تصویر نمبر ۱ (دائیں طرف) حضرت دیوان شاہ صاحب (رح) کے ہاتھ
کا لکھا ھوا قرآن پاك جس کی توثیق ان کے نواسے سید قطب الدین محمد
صاحب نے (بائیں طرف) ترقیمے میں کی ھے (مصحف مجید بخط خاص
حضرت ... الخ) (مہر) قطب الدین شاہ بن سید شاہ خاك پای درویشان اللہ

تذکرہ

حضرت دیوان شاہ صاحب (بھیمڑی)

مع

خاندان سادات

(ڈاکٹر) مومن محی الدین
ایم۔اے۔پی ایچ ڈی (اڈنبرا)

مصنّف کی دیگر تالیفات

(1) The Chancellery and Persian Epistolography under the Mughals.

Pub:- Iran Society, 12, Kyd Street
Calcutta. 16
(Part 1st Published)

(۲) Persian documents as sources for the history of Marathas and Maharashtra
under U.G.C (New Delhi) Scheme

(۳) علاء الدین عطا ملک جوینی (مطبوعہ) (۴) تسلیۃ الأخوان (زیر طبع)

ملنے کا پتہ :- ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۵) تاریخ شہر بھیمڑی مع احوال مضافات (زیر طبع)

تذکرہ

حضرت دیوان شاہ صاحبؒ (بھیڑی)

مع

خاندانِ سادات

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

پبلشرز

انجمن ترقی اردو (شاخ بھیمڑی)
آشا پرنٹرس - بھیونڈی - ضلع تھانہ

سنہ طباعت اپریل سنہ ۱۹۶۵ء

ملنے کا پتہ
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳

مومن یوسف حسن سکریٹری انجمن ترقی اردو (شاخ بھیمڑی) نے انقلاب پریس ٹیمکر اسٹریٹ (بمبئی ۸ میں چھپوا کر انجمن کے دفتر (آشا پرنٹرس بھیمڑی) سے شایع کیا) —

تعارف

(بیرسٹر عبدالمجید سالک انصاری۔ بی۔اے۔ ایل ایل بی۔ بی ایس سی (لندن) بار ایٹ لا)

ڈاکٹر مومن محی الدین سے میں اس زمانے سے واقف ہوں جب اسمٰعیل یوسف کالج (بمبئی) کا مومن تھا، جو شاعر تھا اور افسانہ نگار۔ کالج کی رومان پرور زندگی اور عمر کے ایسے خام دور میں جب کالج کے طالبانِ علم اردو ادب کے رومانوی دور سے متاثر رہتے ہیں ڈاکٹر مومن نے چند ایسے افسانے لکھے جو ادبی محفلوں میں بیحد پسند کیے گئے۔ ان کی نظمیں اور غزلیں "شاہراہ" "آجکل" اور "شاہد" وغیرہ میں شایع ہوتی تھیں۔ جوانمرگ ترقی پسند شاعر اور میرے دوست نشاط شاہدوی اکثر ڈاکٹر مومن کی خفیہ صلاحیتوں کا ذکر کرتے تھے اور خود ڈاکٹر مومن نشاط مرحوم سے بیحد متاثر تھے۔

میں نے ڈاکٹر مومن کی "پروفیسری" کا روپ تو دیکھا نہیں مگر اس کے متعلق سنا ضرور ہے۔ اس دور کی ان کی "جنت نظر" اور "فردوس گوش" ڈرامائی تخلیقات کا بڑا چرچا رہا۔ ان کے ڈرامے نہ صرف بمبئی کے کالجوں میں بلکہ بیرونی درس گاہوں میں بھی بیحد مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ ان کا ڈرامہ "طوفان" اس کی گواہی دیتا ہے کہ جس طرح ڈاکٹر مومن کا کردار پاک اور بے باک ہے۔ اسی طرح ان کے تمثیلی کردار بھی ان ہی اوصاف سے متصف ہیں۔

خالق اور مخلوق کی ان ہی صفات کے سبب آج بھی انھیں اصحاب نظر کی قبولیت حاصل ہے۔ آج وہ سند یافتہ محقق اور ملک کے ایک ہونہار مورخ بن چکے ہیں۔ اڈنبرا یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے کے بعد بہت جلد ڈاکٹر مومن کی خدمات مرکزی حکومت کے وزارت تعلیمات کے محکمہ "قومی تحفظ اسناد و دستاویزات" National Archives میں حاصل کر لی گئیں۔ ڈاکٹر مومن کا تحقیقی مطالعہ تاریخ کے اس پہلو پر ہے جسے "انشا" اور "دار الانشا" کہتے ہیں۔ ان ہی معلومات پر آپ کے کئی مقالے اردو اور فارسی میں برصغیر ہند و پاک کے مقتدر علمی رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر مومن نے اپنے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالے کو از سر نو نظر ثانی کر کے نئے مواد اور نئے اسلوب سے دوبارہ لکھا ہے جو ایران سوسائٹی کلکتہ کے جریدہ

"انڈو ایرانیکا" میں قسط وار شایع ہو رہا ہے اور اگلے سال کتابی صورت میں منظر عام پر آجائیگا
عرصہ تین سال سے آپ دکن کالج پونہ کے شعبہ تاریخ سے منسلک ہیں جہاں آپ فارسی
دستاویزات اکھٹا کرکے انھیں ترتیب دے رہے ہیں جو مہاراشٹر کی تاریخ کے لئے ماخذ
کا کام دیں گے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر مومن نے اورنگ آباد۔ خاندیش۔ دھولیہ۔ کلیان اور بھیونڈی
سے کافی پرانے فارسی اسناد حاصل کیئے ہیں۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس تعلیمی سال سے بمبئی یونیورسٹی میں "یونیورسٹی گرانٹس
کمیشن" کے نئے شعبے "جدید فارسی" میں پہلے استاد کی حیثیت سے آپ شامل ہو رہے ہیں جہاں تحقیق
کرنے والے طلبا کو آپ کی رہنمائی حاصل رہے گی۔

ڈاکٹر مومن کی متعدد تصنیفات کے بارے میں، گو میں رائے دینے کی اہلیت نہیں رکھتا
لیکن پھر بھی ان کی تقریریں اور تحریریں سنتا اور پڑھتا رہتا ہوں اور یہ مسودہ بھی جب نظر نواز
ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ نہ تو مومن کا کردار بدل سکتا ہے اور نہ اسلوب۔ کیونکہ دونوں اپنی ابدی
اور ازلی اوصاف میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ یہ کسی قسم کی تبدیلی قبول نہیں کر سکتے۔
تاریخ کے خاردار راستے پر اس طرح ادبی اور شعری خوبیوں کا تلازم برقرار رکھکر
چلنا کہ تحقیق کا لطف بھی آئے اور زبان کی چاشنی سے بھی لذت اندوز ہوں۔ ایک نیا
تجربہ ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ڈاکٹر مومن میں ایک صاحب طرز نگار بننے کی صلاحیتیں
موجود ہیں۔

یہ تذکرہ شہر بھیونڈی کے مشہور بزرگ دین حضرت دیوان شاہ صاحبؒ اور ان کے
متعلقین کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ نہ صرف اس قسم کی پہلی کوشش ہے بلکہ اس قسم کا
پہلا تذکرہ ہے جو خاندانی کاغذات و قبالات شرعیہ کے مواد کے سہارے لکھا گیا ہے۔
یہ تحقیقی مقالہ بھی ہے۔ تاریخ سند بھی، اور بھیونڈی کی تاریخ میں ایک یادگار
تخلیق بھی۔

میری خواہش ہے کہ ڈاکٹر مومن اور تمام کاموں سے "شتابی سے فارغ" ہو کر صرف
تحقیق و تدریس کی کائنات میں رہیں تو یہ زیادہ اہم اور تعمیری خدمت کر سکیں گے
ع۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

عبدالمجید سالک انصاری
بار ایٹ لا

بمبئی اپریل ۱۹۶۵ء

عرضِ مصنّف

آج سے چند سال قبل میں نے "بھیمڑی کی تاریخ" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون بمبئی کے موقر جریدہ "انقلاب" (۲ ستمبر ۱۹۶۲ء) میں چھپوایا تھا جس میں میں نے شہر کے قدیم خاندانوں کے باقیات صالحات اور مقامی مسجدوں، خانقاہوں اور درگاہوں کے سجادہ نشینوں اور متولیوں سے ان کے موروثی کاغذات اور مملوکہ اسناد دکھانے کی درخواست کی تھی۔

حال ہی میں میری درخواست پر بھیمڑی کے سید صلاح الدین پیرزادے صاحب نے جب تلاش بسیار کے بعد اپنے خاندانی اسناد و قبالات جناب حکیم عبدالاحد خطیب صاحب (میونسپل کونسلر) کی توسط سے عطا کئے تو گویا مجھے ایک نعمت غیر مترقبہ مل گئی کیوں کہ ان ہی کاغذات کی مدد سے شہر کے بزرگان دین کا یہ مختصر تذکرہ معرضِ وجود میں آیا ہے۔

سید صاحب موصوف نے ایک قانونی حلف نامے کی شکل میں مجھے تحریری اجازت دی ہے کہ میں ان کے مملوکہ و موروثی فارسی کاغذات کو اپنی ہر تحقیقی تصنیف میں استعمال کرسکتا ہوں اور یہ کہ مجھے اس کا حق بھی ہوگا کہ میں اُن کی فرمائش پر ان کے آباؤ اجداد کا تذکرہ لکھکر طبع و شائع کرادوں۔ میں ان کا ہر طرح سے شکر گذار ہوں۔

"تذکرہ حضرت دیوان شاہ صاحب قیری" زیر تصنیف "تاریخ بھیمڑی" کا ساتواں باب ہے جو میں احباب، بزرگوں اور ارکین انجمن ترقی اردو (شاخ بھیمڑی) کے اصرار پر علاحدہ شائع کرا رہا ہوں۔ اس ضمن میں میں جناب ڈاکٹر ایچ۔ ایم مقری صاحب

(جے۔ پی میونسپل کونسلر) کا بیحد مشکور رہوں جنھوں نے مجھے کئی دیگر فارسی مسودات فراہم کر کے دیے ہیں اور جن کی معیت میں مجھے ان کے آبائی مسکن "واسندری" کا تاریخی جائزہ لینے کا موقع ملا۔ جناب مشتاق احمد مومن (رستوا) صاحب اور مومن یوسف حسین صاحب (سکریٹری انجمن ترقی اردو (شاخ بھیونڈی) کا میں شکر گذار ہوں جنھوں نے مقامی تاریخی جائزے میں میرے ساتھ کافی وقت صرف کیا اور میرے تحقیقی منصوبوں سے ہمیشہ دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔

جملہ اراکین انجمن ترقی اردو شاخ بھیونڈی کا شکریہ ادا کرنا بیحد ضروری ہے جنھوں نے طباعت واشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ میں جناب شاہ علی (جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ریاستی شاخ مہاراشٹر اور مینیجر مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ۔ بمبئی) کے خلوص اور تعاون سے بیحد متاثر ہوا ہوں اس لئے ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے تشبیہات واستعارات کا سہارا ڈھونڈھنا پڑ رہا ہے۔

مختصر یہ کہ میں ان کا بیحد شکر گزار ہوں۔ میرے عزیز دوست بیرسٹر عبدالمجید سالک انصاری صاحب نے میرا "تعارف لکھکر" ادب و تحقیق کی عدالت" میں میرا "مقدمہ" پیش کر دیا ہے۔ گو خود ان پر "تحسین بیجا" کی فرد جرم عائد کی جا سکتی ہے۔ مگر انھوں نے اپنی زور بیانی سے کام لے کر مجھے اسی عدالت سے "قبول عام کی سند" دلوا دی ہے۔

نوٹ :۔ میں جناب محمد خالد نشتی صاحب (بمبئی) کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ایک اہم موروثی خاندانی سند لاکر دی ہے۔

مومن محی الدین
"مومن لبیرا"
بھیونڈی ۵ اپریل ۶۵ء

تاریخی پس منظر

بھیونڈی ایک قدیم بستی ہے، جو اُن آریائی قبیلوں کی گذرگاہ رہ چکی ہے جن کا سب سے پہلا قافلہ ویترنا کی سرسبز و شاداب وادی میں "گورہا" (واڑہ تعلقہ) میں اترا تھا۔[1] دیارِ کوکن میں تہذیب و تمدن کے پیش رَو اور علمبردار یہی تھے جو شمالی ہندوستان سے ترکِ وطن کر کے ڈیڑھ ہزار سال قبل از مسیح یہاں بس گئے تھے اور پھر وقت اور تاریخ کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ دور دور تک پھیل گئے۔ جب ان کی قبائلی سماجی زندگی کا آغاز ہوا تو معاشی اور معاشرتی لین دین کی راہیں بھی کھلنے لگیں، تاریخ کی یاد سے پہلے اور "وید" زمانوں سے قبل مغربی ساحل کی بندرگاہوں کے تجارتی مواصلات بالخصوص اس سرزمین سے مستحکم ہو چکے تھے جو بابل اور نینوا کی تہذیبوں کے گہوارے تھے۔ اور جہاں کئی پیغمبر نازل ہوئے ہیں۔ سوپارہ، تھانہ اور کلیان کی بندرگاہوں کے بحری رابطے بحیرۂ احمر اور خلیج فارس کے ذریعے عراق و عجم، مصر و شام اور روم و یونان سے صدیوں تک قائم رہے، بدیسی ملکوں کے بادبانی جہاز یہیں لنگر انداز ہوتے تھے۔

---

[1] دے کُنہا۔ لیبن (انگریزی) ص ۲۳-۱۲۱ تھانہ گزیٹیر جلد ۱۳، حصہ ۱ صفحہ ۸-۹

ان میں اجنبی زبان بولنے والے وجیہہ یوَن (یونانی)، لمبی عباؤں والے بازارِ مصر کے سوداگر اور گھنی داڑھیوں والے عجمی تاجر آتے تھے، ان کے لئے یہ ناریل اور ساگوان کا ناک تھا اور جب جنگل کی خوشبوؤں اور عود و صندل کی نکہتوں سے مہکی ہوئی کوکن کی فضائیں انھیں راس آنے لگیں تو رفتہ رفتہ انھوں نے یہاں ڈیرے ڈالنے شروع کر دیئے۔ یہی کوکن کے پہلے بدیسی نوآباد کار تھے جن کی بستیاں ظہورِ اسلام سے قبل سوپارہ، کلیان اور دیگر مضافاتی علاقوں میں آباد ہو چکی تھیں۔ کانہیری کارلی، جنیر اور ناسک کی قدیم گپھاؤں میں ایسے کتنے ہی بدیسی سوداگروں اور یونانی تاجروں کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے یہاں توطن اختیار کر لیا تھا۔ اسی عہد سے مختلف تہذیبوں اور معاشرتوں کے باہمی امتزاج سے ایک نئی تہذیب کا خمیر بننے لگا اور ایک نئے تمدن کی وحدت کا ڈھانچہ تیار ہونے لگا۔

اس خطۂ زمین کی قدامت کی توثیق ہندو دیومالاؤں اور "پرانوں" سے ہوتی ہے۔ مہا بھارت میں ویترنا ندی کو بھارت ورش کی چار پوتر ندیوں میں شمار کیا گیا ہے، اس کے دہانے پر شرپارک (سوپارہ) سب سے قدیم بستی ہے جو بدھ مت کا گہوارہ تھا۔ الہاس ندی کے کنارے آباد شری استھانک (تھانہ) اور کلیانا (کلیان) کی قدیم بندرگاہوں کا شہرہ بیزنطیوں کے روم اور سکندر و ارسطو کے یونان تک تھا۔ یسوع مسیح کے ڈیڑھ سو سال بعد یونانی ہیئت داں بطلیموس نے اپنے جغرافیے میں سوپارہ، چیملہ (چیول، چیمبور) اور ڈونگا کی بندرگاہوں کے ساتھ ویترنا اور بنڈا ندیوں کا ذکر کیا ہے۔ بنڈا سے غالباً اس کی مراد کاموری ندی اور کھاڑی ہے جس کے کنارے بھونڈی آباد ہے اور جس کا نام اسی بنڈا سے مشتق ہے۔ اسی

کھاڑی کے کنارے ڈونگا نام کی معمولی بندرگاہ آج بھی موجود ہے۔

بھیونڈی کی بستی قبل از مسیح سے ان قدیم راستوں کی گذرگاہ تھی جو کوکن اور دکن کو ملاتے تھے۔ ان میں سب سے قدیم وہ راستہ تھا جو کھارباؤ اور بھیونڈی سے گذر کر پنویل اور کسوڑ سے ہوتا ہوا بورگھاٹ کے ذریعے جُنیر اور پیٹھن تک جاتا تھا۔ اس راستے پر صدیوں کے قافلے گذرتے رہے ہیں۔ ان میں نگر نگر پھرنے والے خانہ بدوش تھے۔ یونانی اور نسطوری تاجروں کے عربی و عجمی گھوڑے تھے جو وہ دکن فروخت کے لئے لے جاتے تھے۔ اسی راہ پر دَیا اور دھرم کے مارگ پر چلنے والے نارنجی رنگ کے لبادوں میں ملبوس بدھ بھکشو رمتے پھرتے نظر آتے تھے اور جب نَل اور موریا خانوادوں کے اقتدار کا سفر شروع ہوا تو ان کے منتریوں اور پردھانوں کے چار گھوڑوں والے رتھ بھی بھیونڈی اور کلیان تک دوڑتے نظر آنے لگے۔ جُنیر تک اس قدیم راستے پر کونڈانہ، جمبرگ، امبیول (کرجت) کارلا، بھاجا اور بیڈسہ کے غاروں کے گہرے سینوں میں ان ہزاروں مسافروں کی یادیں دفن ہیں جن میں سنگ تراش بھی تھے اور کلاکار بھی۔ اور جنھوں نے رواں دواں زندگی کے اٹوٹ سفر میں ہر قدم پر علم و فن کا چراغ جلایا۔ یہ قدیم گپھائیں صرف فن سنگ تراشی کے نادر نمونے نہیں ہیں بلکہ انسانی عظمت اور تہذیب و ثقافت کی ایسی لازوال تحریریں ہیں جنھیں سماجی محنت نے ہاتھوں کے قلم اور جہدِ مسلسل کے پسینے کی روشنائی سے چٹانوں کے لوحِ محفوظ پر لکھ دیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۴) ۱؎ بسین ص ۱۳۳ گزیٹیر ۱؎ گزیٹیر ص ۳۰۶ (فٹ نوٹ ۲)

مہابھارت میں شمالی کوکن کو "اپرانت" کہا گیا ہے۔ یہ اشوک اعظم (سنہ ۲۶۳ تا سنہ ۲۲۹ ق۔م) کی قلمرو کا آخری سرحدی صوبہ تھا۔ سوپارہ اس اپرانت کا صدر مقام اور بدھ مذہب کی تبلیغ کا اہم مرکز تھا۔ شمالی کوکن کی مستند تاریخ کا آغاز ساتواہنوں یا شاتکرنیوں کے عہدِ حکومت سے ہوتا ہے (سنہ ۲۷ ق۔م تا سنہ ۳۰ء) اس عہد میں تھانہ کے تجارتی تعلقات بنگال اور دکن کے صنعتی مراکز تک پھیلے ہوئے تھے۔ ایران سے تجارت کو فروغ اسی دور میں ہوا اور معاشی رابطے نے معاشرتی اور مذہبی لین دین کا بازار گرم کر دیا۔ کانہیری کی گپھاؤں کی طرزِ تعمیر اور کتبوں سے عجمی اثرات بے حد نمایاں ہیں۔ عجمی تسلط کا سبب یہ بھی تھا کہ کوکن پر اشکانی شہنشاہِ ایران کے نام نہاد جاگیردار شک پہلوی کچھ عرصہ تک اس علاقہ پر قابض رہ چکے تھے۔ کلیان میں ایرانی اور نسطوری عیسائی تاجروں کی نوآبادی اس عہد میں اپنے عروج پر تھی۔

مصری راہب اور تاجر قوسموس (سنہ ۵۲۵ء) اپنی تصنیف میں کلیان کے راجہ اور اس کی تجارتی رونق کا ذکر کرتا ہے اس وقت یہاں "نل راج" مسلط تھا جس کی یادگار ملنگ گڑھ کا مشہور پہاڑی قلعہ ہے۔ ظہورِ اسلام کے بعد جب عبدالرحمٰن عرب نامی ایک مبلغ یہاں آئے تو اسی خانوادے کی ایک راجکماری نے انھیں کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا۔ موریہ خانوادہ سنہ ۱۲۴۰ء تک بھیونڈی اور کلیان پر راج کرتا رہا۔ بھیونڈی کو مذہبی فضیلت اسی دور میں حاصل ہوئی جبکی توثیق لوناڈ کے مسمار شدہ گپھا اور مندر سے ہوتی ہے۔ اس گپھا میں موریا دربار کی نقاشی کی گئی ہے اور جس کی صناعی سے عجمی فنِ سنگتراشی کی جھلکیاں نمایاں ہیں۔

تاریخ کے اس موڑ پر جہاں نل اور موریا کی قومی حکومتوں کا ملاپ ہوا تھا وہیں سے کلیان اور بھیونڈی کی جغرافیائی اور سیاسی رابطے کا سفر بھی شروع ہوتا ہے۔ ان دونوں قدیم بستیوں کے نام تاریخ کے راستے پر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کلیان کو سیاسی اہمیت حاصل رہی اور بھیونڈی ماتحت قصبہ اور تجارتی منڈی کی حیثیت سے وابستہ رہا۔ شمالی کونکن یا اپرانت میں داخل ہونے کے لئے یہی دو دروازے تھے۔ بھیونڈی ہی کے راستے بارہویں صدی میں گجرات کے انہلواڑہ اور تھانہ کے سلہارا راجہ ایک دوسرے کی سلطنت پر حملہ آور ہوتے رہے۔

تھانہ کی سیاسی و تجارتی عظمت سلہارا راج میں نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی جنھوں نے سنہ ۹۹۷ء میں ایک نئے جاگیردارانہ نظام کی بنیاد ڈالی اور شری استھانک کو راجدھانی بنایا۔ یہ ۱۴۰۰ دیہاتوں کے مالک تھے جن میں سے کئی مواضع انھوں نے مذہبی اداروں اور علمی شخصیتوں کو بطورِ مددِ معاش انعام میں بخش دیئے تھے۔ ان کی مذہبی سرپرستی اور علم پروری کی سند وہ سنگی کتبے دیتے ہیں جن میں مندرجہ ذیل مقامات کے نام ملتے ہیں اور جو آج بھی صدیوں کے عروج و زوال کے بعد آباد ہیں۔ لوناڈ۔ ماہولی۔ باب گاؤں۔ پڑگا۔ کمبھاری (پڑگا کے قریب) بھاوآلنے اور شیلار واتک۔ یہ سارے بھیونڈی تعلقہ میں شامل ہیں۔[1]

گو مسلمانوں نے سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں تھانہ میں

---

[1] گزیٹیر ج ۱۳ حصہ ۲ صفحہ ۳۸ - ۴۲۴

قدم رکھا جب اُن کی مرضی لیئے بغیر بحرین اور عمان کے والی عثمان بن ابوالعاصی الثقفی کے بھائی الحکم نے ۱۶ھ ۶۳۶ء میں ایک بحری بیڑا تانہ (تھانہ) کی مہم پر بھیجا تھا۔ مگر انؔ کی نو آبادیاں کا حال نویں اور دسویں صدی عیسوی کے عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کے بیانات میں ملتا ہے۔ ان میں سلیمان تاجر (۲۳۵ھ ۸۵۰ء) ابن خردازبہ (۲۵۰ھ) ابو زید حسن سیرانی (۲۶۴ھ) بزرگ بن شہریار (۳۰۰ھ) ابوالحسن علی المسعودی (۳۰۴ھ ۹۱۶ء) اور ابن حوقل (۹۶۸ء) شامل ہیں۔

مسلمان تاجر جو اب داعی اسلام بھی تھے تجارتی اسباب کے ساتھ اب اپنے نئے دین و ایمان کی تعلیمات کے جواہرات بھی لانے لگے تھے۔ ان زائرین میں سے بعض قبیلے تجارتی سلسلے اور کسبِ معیشت کی غرض سے سوپارہ، چیول (ضلع قلابہ) اور تھانہ میں اپنے قدیم ہم قوم نو آبادکاروں کے ساتھ بس گئے۔ بنو امیہ کے عہدِ خلافت میں بعض عرب قبائل مختلف دور میں ہجرت کر کے ساحلی مقامات پر ملابار تک توطن اختیار کر چکے تھے۔ یہ اپنے آپ کو آلِ طلحہؓ و زبیرؓ و عباسؓ سے منسوب[۲] کرتے تھے۔ مگر ان میں کچھ خانوادے ایسے ضرور تھے جو حجاج بن یوسف کی سفاکیوں کی وجہ سے ترکِ وطن کرنے پر مجبور تھے اور بعض مختار بن ابی عبید الثقفی کی منتقمانہ کارروائیوں سے خوفزدہ ہو کر بھاگے تھے[۳]

---

[۱] فتوح البلدان صہ ۴۳۲

[۲] منتخب اللباب (جلد سوم) تاریخ النوائط صہ ۲۸-۲۹

[۳] ایضاً صہ ۳۵ الحسین عمر ابوالنصر (اردو ترجمہ) صہ ۵۰-۱۵۵

علامہ جلال الدین سیوطی نے کشف الانساب میں انھیں نایطی لکھا ہے جو اہل قریش سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ تاریخ النوائط میں نائطوں کو موجودہ کوکنی مسلمانوں کے مورثین اعلیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے جو ممکن ہے بعض خانوادوں کے حسب ونسب کے بارے میں صحیح ہو مگر اس نسبت کا اطلاق مجموعی طور سے تمام نوایتی یا کوکنی مسلمانوں پر صادق نہیں آتا کیونکہ ان میں بعض ان عرب وایرانی ملاحوں اور تاجروں کی اولاد سے ہیں جنھیں "بیاسرہ" کہتے تھے۔ مسعودی جب ۹۱۶ء میں صیمور (چیول۔ چمبور) آیا تو یہاں مخلوط النسل مسلمان یعنی بیاسرہ اور عرب مسلمانوں کی آبادی دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔[۵] ان میں سے بعض سیراف، عمان، بغداد بصرہ اور کوفہ کے مہاجر اور تاجر قبائل تھے۔ تحفۃ المجاہدین میں ان نوواردوں (نوآیتیا) کے بارے میں لکھا ہے کہ پرتگیزوں سے پہلے سمندر کی باگ انھیں کے ہاتھوں میں تھی اور آج بھی یہ اپنے موروثی پیشوں اور قبائلی نسبتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ گو تاریخ اور وقت کی بھول بھلیوں میں یہ اپنے نسبی سلسلوں کی کڑیاں گم کر چکے ہیں، رئیس (جہاز کا کپتان) معلّم، ناخدا، امرتے (بیاسرہ سے) حارث وغیرہ القاب معروفہ صدیوں کی تاریخی سفر کے نشانِ راہ ہیں۔ عرب وہند کے تہذیبی ولسانی اختلاط سے ایک نئی مقامی بولی کی تشکیل ہوئی جسے کوکنی کہتے ہیں۔ جو مزاج اور ہیئت میں مرہٹی سے مماثل ہے مگر اس میں عربی وفارسی الفاظ کا رچاؤ بدرجہ اتم موجود ہے۔ آج بھی چٹائی کے لئے حصیر، جھاڑو کے لئے سلاتی

---

[۵] عرب وہند کے تعلقات۔ مولانا سید سلیمان ندوی (الہ آباد ۱۹۳۰ء) صـ ۹۲-۲۸۱

اور دوسرے کے لئے تصدیع وغیرہ قسم کے سیکڑوں فارسی و عربی الفاظ کوکنی بولی میں مستعمل ہیں۔

کوکنی قوم میں بڑے پایے کے بزرگ، مقتدر علما و فقہا، اور صاحبِ جاہ و مال گزرے ہیں۔ فرشتہ عہد علائیؒ کے علمائے کرام میں سادات نوایتہ کا ذکر کرتا ہے۔ دکن اور کوکن کے بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام میں سیکڑوں نوائتی افراد کے نام ملتے ہیں جیسے شیخ علی پیرو (پروبے) عرف مخدوم فقیہہ علی المہائمیؒ (سنہ ۷۷۶ھ/۱۳۷۲ء - سنہ ۸۳۵ھ/۱۴۳۱ء) ان کے والد مولانا شیخ احمد پروبے (م سنہ ۸۰۵ھ) کے علاوہ دیارِ کوکن میں سیکڑوں نوائتی صوفیائے کرام و علمائے عظام کے مزارات ہیں۔ بھیمڑی درویشوں کا دیس تھا۔ یہاں مولانا شیخ شکر شاہؒ (م سنہ ۹۷۰ھ) نے برسوں اپنی خانقاہ و درگاہ میں علم و معرفت کا چراغ روشن رکھا۔ نوائتی فقراء و درویشوں میں جو بھیمڑی میں فقر و تجرید کی زندگی بسر کرتے تھے بعض یہیں مدفون ہیں مثلاً سید محی الدین مقری شاہؒ فاضل شاہؒ عرف شاہد شاہ، ان کے خلیفہ و سجادہ نشین ایمانی شاہؒ سرگروہ لطف علی شاہؒ (کارولی) لعل شاہ سرگروہ وغیرہم۔

امرائے شاہی میں ملا احمد نائطی عادل شاہی دور میں سنہ ۱۶۵۷ء تک کلیان اور بھیونڈی کا فوجدار تھا۔ اس کا خواہر زادہ سید عبدالقادر المخاطب بہ معتبر خاں سنہ ۱۶۹۰ء تا سنہ ۱۷۰۴ء تک انھیں پرگنوں کا حاکم رہا۔ سرزمین کوکن کا یہ پہلا نوائتی امیر تھا جو علو مرتبت کو پہنچا۔ دولت و ثروت نے قدم چومے اور ملکی فتوحات نے اس کے ہاتھوں کو بڑھ کر بوسہ دیا۔ فن تعمیر میں کئی عمارتیں یادگار چھوڑیں جو آج چند اینٹوں کا ڈھیر ہیں۔ جو باقی ہیں ان ہیں تاریخ کی بے دردیوں نے نیچے گاڑ دیے ہیں۔

علاء الدین خلجی کے تسلط دکن نے کوکن کی مہمات کے دروازے کھول دئے قطب الدین مبارک خلجی کے عہد میں ۱۳۱۸ء میں ساشٹی اور مہائم پر خلجیوں کے اقتدار کا سایہ پھیل گیا۔ تھانہ نئی مسلم مقبوضات کا فوجی محاذ بنادیا گیا جس کا حاکم نائب کہلاتا تھا۔ شہری و شرعی حقوق و امور کی نگہداری کی غرض سے قاضی مقرر ہوتا تھا۔ کلیان اور اس کا ماتحت قصبہ بھیمڑی جسے اسلام آباد کہتے تھے خلجی مملکت کا ساشٹی کے بعد دوسرا پرگنہ تھا۔ ان علاقوں میں مسلمانوں کی قدیم آبادی کی شہادت فیروز شاہ بہمنی (۱۳۹۷ء – ۱۴۲۲ء) کے اس اصل فرمان سے ملتی ہے جو اس نے قصبہ ہائے کلیان و اسلام آباد کے مولانا قاضی محمد کو دیا تھا۔ یہ قضات کی سند ہے جس کی رو سے قاضی اور اس کی اولاد و احفاد کو بطور مدد معاش ان قصبوں میں جاگیر یا انعام میں گئی تھیں۔ اس اصل فرمان سے قدیم تر ابھی تک کوئی دوسرا فرمان منظر عام پر نہیں آیا ہے[1]۔ اس کے علاوہ واسندری اور تنوالہ کی قدیم بستیوں سے خلجی حکمرانوں کے جو سکے دریافت ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں سے دلی کا بازار دور نہ تھا۔ اور جب محمد بن تغلق نے دیوگری کو دارالسلطنت بنایا تو دلی خود اٹھ کر دکن کی چوکھٹ پر آگئی جس کی جلو میں فراواں مخلوق اور صوفیائے کرام کے قافلے تھے۔ حضرت منتخب الدین زرزری زربخش چشتیؒ (م ۷۰۹ھ) کے ہمرکاب سات سو پالکی نشین بزرگ تھے۔ جو بلاد و قصبات دکن میں تبلیغ و اشاعت دین کی غرض سے پھیل گئے۔ ان کے ساتھ شیخ صلاح الدین عرف شیخ صلان چشتیؒ (م ۷۵۹ء،

---

[1] فرامین و اسناد سلاطینِ دکن (حیدرآباد دکن ۱۹۶۳ء) نمبر ۱ ص ۱-۲

مرید و خلیفہ نظام اولیاء، اور سید حسام الدین قتال زنجانی (م سنہ ۶۱۳ء) آئے جو پونہ میں دفن ہیں۔ جب دکن کی سرزمین اولیائے کرام کی سب سے بڑی ولایت بن گئی تو سلوک و طریقت کے راستے ضلالت و جہالت کے کالے چٹانوں کا سینہ کاٹ کر کوکن تک پہنچ گئے۔ یہاں بھی صوفیوں اور درویشوں کی روحانی سلطنت قائم ہو گئی۔ جس کے پہلے خلیفہ شیخ عجبؒ بابا قادری تھے جو کوکن کے اولین مبلغین میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ دھانو میں مدفون ہیں۔ شاہ بدرالدین چشتیؒ (م سنہ ۱۴۱ھ) کوکن کے مشہور قلعہ پرینڈہ کے نواح میں شہید ہوئے۔ ارنالہ میں شاہ علیؒ اور حاجی علیؒ بزرگان دین کے مزارات ہیں۔ ناسک میں شاہ محمد صادق چشتیؒ، خواجہ ضمیر حسینیؒ اور سرمست حسینیؒ آج بھی لوگوں کی روحانی زندگیوں اور دلوں پر حکمرانی کر رہے ہیں۔

کوکن میں بہمنیوں کی بساط سلطنت جب الٹ گئی تو یہاں کے مقامی زمیندار اور نائک اہم مہرے بن گئے۔ جوہار کا کولی راجہ جسے تغلق بادشاہ نے (۵ جون سنہ ۱۳۴۳ء) شاہ کا خطاب دیکر اپنا بندۂ بے دام بنا لیا تھا اپنی رجواڑی میں۔ بھیونڈی کا راجہ۔ ناہولی میں، فلابہ کا رائے رائے گڑھ میں۔ اور رتناگیری کا رٹیں و شال گڑھ میں قلعے بنا کر سیاسی داؤ پیچ میں اتنا بڑھ گئے کہ "شہ" کو مات دینے کی ترکیبیں سوچنے لگ گئے تھے۔ بھیونڈی کا راجہ دیوگیری کی یادو حکومت کا کوئی قدیم نمک خوار تھا جس نے بندگی کا بھرم رکھنے کے لئے انہی خاندان کے مشہور راجہ بھیم دیو یا بمب رائے جس نے مہائم (مہاکاوتی) بسایا تھا، کے نام پر اسلام آباد کو بمبستھان بنا دیا جیسا کہ سنہ ۸۶۵ھ مطابق سنہ ۱۴۶۲ء کے ایک سنگی کتبے سے پتہ چلتا ہے۔

rekhta

جس پر مہاتم اور بھانہ کے علاوہ ہندستان کے چند مسلمانوں کے نام درج ہیں۔

بھیمڑی بھی غالباً اسی بھیم کی واڑی کا مخفف ہے۔

بھیمڑی اور اس کا متعلقہ قلعہ ماہولی قرونِ وسطیٰ کی سیاست میں وہ طلسمی دروازے تھے جس کے ذریعے داخل ہو کر خاندیس، دکن اور گجرات کی طاقتوں کے دیو قابو میں لائے جا سکتے تھے۔ ملک احمد بحری نے جب ۱۴۸۵ء میں ماہولی پر قبضہ کیا تو کوکن کی فتوحات نے اس کے قدم لیے۔ آرزوؤں کی منزل مل گئی جہاں اس نے احمد نگر اور نظام شاہی حکومت کی بنیادیں ڈالیں۔ ماہولی نظام الملکی تلکوکن کا صدر مقام قرار پایا جس کے ماتحت کلیان اور بھیمڑی عرف اسلام آباد کے پرگنے تھے۔ قلابہ سے بانکوٹ تک کا علاقہ تلکوکن عادل خانی یا عادل شاہی کہلاتا تھا۔ سقوطِ احمد نگر کے بعد ۱۶۳۶ء میں شاہ جہاں بادشاہ نے ایک معاہدے کی رُو سے تلکوکن نظام الملکی، عادل شاہی حکومت کے سپرد کر دیا۔

حضرت دیوان شاہ صاحبؒ اسی حکومت کے وزارت مالیہ میں دیوانی کے عہدے پر سرفراز تھے۔

حضرت سیّد شاہ حسین قادری الحسنی والحسینی الجیلانی قدس سرہٗ

عرف

دیوان شاہ صاحبؒ

خاندان سادات سے نسبی تعلق تھا اسی لئے آپ سید کہلائے۔ درویشی میں سلطانی کرتے تھے، اسی وجہ سے شاہ کا خطاب ملا۔ حضرت سید عبد القادر الحسنی والحسینی الجیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے اسی لئے قادری تخلص فرمایا۔ ایک دیندار اور نیکنام صوفی بزرگ تھے اسی لئے مرتبہ ولایت کو پہنچے اور ہر سلسلہ جاریہ کی خلافت ملی۔ مگر سلسلۂ قادریہ پر بیعت کی تخصیص فرماتے تھے[۱] جویائے معرفت الٰہی اور طالب وصل حق تھے۔ اسی واسطے آج بھی ان کے روز وصال کا جشن منایا جاتا ہے۔ عرس کی تقریب۔ ایک صوفیانہ تمثیل ہے۔ جس میں مسلم معاشرے کے کسی ایسے ہی صالح فرد اور نیک کردار شخصیت کی لازوال یا دوں کو ازلی دولھا بنایا جاتا ہے۔ سہاگ کے پھولوں اور گلاب وعود وصندل کی خوشبوؤں سے

---

[۱] آپ کا نسب نامہ (شجرہ) موجود ہے مملوکہ سید صلاح الدین پیرزادے صاحب بھیڑی

ہجاۓ مرقد کو مہکایا جاتا ہے جس طرح شادی بیاہ کی تقریب میں ساچق (بری) کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اسی طرح "عرس" کے موقع پر صندل اٹھاتے ہیں اور جس طرح اسلامی عساکر کے ہر فوجی دستے کا اپنا علاحدہ نشان ہوتا تھا اور ہر امیر کے ماہی مراتب ہوتے تھے۔ اسی کی تقلید میں ہر سلسلے کے صوفی و مرشد کا اپنا نشان ہوتا ہے جو اسی شان سے اٹھایا جاتا ہے جس شان سے اس نے مصاف زندگی میں اپنے کردار کی بیباکی، عمل کی قوت اور نیکیوں کی طاقت سے ہر سماجی ناانصافی، سیاسی بدعنوانی اور معاشی بدحالی کے خلاف جہاد کیا تھا۔ عرس ایسے ہی ایک مجاہد کی برات ہے جس نے شریعت کے ہم کاب معرفت کی روشنی میں طریقت کے راستے پر چلتے ہوئے "عروسِ حقیقت" کا وصل پایا۔

آپ کے خاندان میں ہر دو تلکوکن کے بزرگانِ دین کی سجادہ نشینی اور ان کے روضوں کی تولیت عرصۂ قدیم سے وراثتاً چلی آرہی تھی۔ ان موروثی مناصب میں مہائم کے مخدوم علیؒ فقیہہ کی درگاہ کی تولیت اور سجادگی کو خاص درجہ حاصل تھا۔ ان خدمات کے عوض مختلف درگاہوں اور خانقاہوں کے اخراجات "مولود شب چراغ، عود و گل اور اعراس" کے مصارف اور خاندانِ سادات کی کفالت کے لیے سلاطین احمدنگر اور بیجاپور سے کئی جاگیریں بطور مددِ معاش و مددِ خرچ انعام میں ملی تھیں۔ سب سے قدیم جاگیریں یہ تھیں۔ پرگنہ دیہر کورتھ (دربست = پورا) پرگنہ تانکھنہ سے ہین کا ٹپہ اور پرگنہ اسلام آباد عرف بھیمڑی سے واشندری کا ٹپہ۔[1]

یہ انعام خود حضرت دیوان شاہ محمدؒ صاحب کے عہدِ سجادگی میں ڈیڑھ سو سال

۱؎ نقل پروانہ بمہر قطب الملک یمین الدولہ سید عبداللہ خان بہادر سنہ ۳ جلوس محمد شاہ؛ نقل فرمان محمد شاہ جلوس

GHALIB ACADEMY

قدیم ہو چکا تھا۔[51] اس سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے آبا و اجداد کا تلکوکن نظام الملکی سے تعلق بھی قدیم تھا۔ گو ان کا وطن الوٹ کرنول عرف قمر نگر (دکن) تھا اسی واسطے سے حضرت باوا صاحب کا پرگنہ و قصبہ اسلام آباد سے دیرینہ رشتہ رہا ہوگا۔

آپ کی درباری زندگی کا آغاز نظام شاہی حکومت میں غالباً دیوانی ہی کے عہدے سے ہوا اور اسی حکومت نے مذکورہ بالا انعامی جاگیریں عطا کی تھیں کیونکہ اسنادِ درگاہ میں "نظام الملکی" کا ذکر بار بار آتا ہے۔[52] سنہ ۱۶۳۶ء میں جب مغل استعماریت نے احمد نگر کی کمزور و ناتواں سلطنت کو زیر کرلیا تو تلکوکن نظام الملکی ایک معاہدے کی رو سے بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کو سونپ دیا گیا۔ آپ کی خدمات نئی برسر اقتدار حکومت کے لئے منتقل ہوگئیں۔ اور اسی عہد میں جب ملا احمد نائطی کلیان اور بھیمڑی کا فوجدار مقرر ہوا۔ آپ کو تلکوکن کی دیوانی عطا کی گئی جو وزارت مالیہ کا ذمہ دار اور اہم عہدہ تھا اور حکومت کے آئین ملازمت کی رُو سے آپ کو نقد تنخواہ کے عوض جاگیر تنخواہ ملی ہوگی جیسا کہ عام دستور تھا۔ اور غالباً یہ جاگیر قصبہ اسلام آباد کی عملداری میں پورے گوری پاڑہ گاؤں پر محیط تھی جہاں آپ کا مزار ہے۔[53]

سنہ ۱۶۵۷ء کا زمانہ نہایت پُر آشوب تھا جب برہانپور سے لیکر پونہ تک

---

[51] دیکھو حاشیہ صد ۱۵

[52] ایضاً اور نقل پروانہ مدار المہام وزیر الممالک قمر الدین خاں چین بہادر ۹ جمادی الاول سنہ ۲۱ جلوس (محمد شاہ) اور نقل فرمان محمد شاہ ایضاً

[53] نقل (انگریزی) از موڑی حلف نامہ سید محمد صاحب شمس الدین علی خاں۔ ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۸۶ء

ایک سیاسی ہیجان برپا تھا۔ دلّی کے سیاسی اُفق پر خانہ جنگی کے بادل اُمڈ رہے تھے اُدھر شاہ جی بھونسلے کا اولوالعزم بیٹا سیواجی اپنے تصور میں جہانداری اور جہانگیری کے خاکے مرتب کر رہا تھا۔ اس نے موقع پاکر (اکتوبر ۱۶۵۷ء میں) کلیان اور بھیونڈی پر تسلط جمالیا۔ عادل شاہی سپہ سالار۔ افضل خاں نے پرتاب گڑھ کی ملاقات سے پہلے اسے جو خط لکھا تھا۔ اس کا نفسِ مضمون "شیواچھارت" میں اس طرح منقول ہے:۔

"تمہاری جیرہ دستیاں ہر قدم پر عادل شاہی دل کا کانٹا بن رہی ہیں، وہ مقبوضات جو سقوطِ احمد نگر کے بعد مغلوں نے ہمیں بخش دیے تھے تاکہ امن و امان برقرار رکھا جا سکے۔ تم نے ان علاقوں کے بیشمار قلعوں پر غاصبانہ قبضہ جمالیا ہے۔ اسی طرح تم نے کلیان اور بھیونڈی کو بھی ہتھیا لیا کر اور لوگ کہتے ہیں کہ تم نے طاقت کے زعم میں آکر ...... وہاں کے صالح مسلمانوں کی دینی زندگیوں میں رکاوٹیں ڈال دی ہیں"[۵۱]

ان صالح مسلمانوں میں یقیناً عادل شاہی حکومت کے دیوان — حضرت دیوان شاہ صاحبؒ بھی ہوں گے۔ جنھوں نے اپنے عہدے سے سبکدوشی حاصل کر کے عزلت گزینی اختیار کرلی۔[۵۲] عادل شاہی حکومت سے اخیر وقت تک پانچ ہزار سالانہ وظیفہ ملتا رہا۔ ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۵ء میں آپ کی رحلت کے بعد یہ وظیفہ آپ کے داماد سید شاہ محمد کے نام منتقل کر دیا

---

۵۱ Source Book of Maratha History. Chapt XVIII P.P. 68-69

۵۲ تھانہ گزیٹیر؛ حصہ "قابل دید مقامات" صہ ۴۲

گیا[۱] جو آپ کے بعد سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ حضرت دیوان بابا کو وظیفہ کے علاوہ حکامِ دکن سے کئی اور بخششیں عطا ہوئی تھیں۔ قصبہ میں کئی ایک دکانیں، بکھاریں اور مکانات آپ کی نجی جائداد تھی۔ اس کے علاوہ ایک بلغور خانہ بھی تھا جس میں مفت دھان کوٹ کر دیا جاتا تھا۔ اس کی تولیت بھی قصبہ کی مسجدوں اور آپ کے مدرسہ اسلامیہ قادریہ کی طرح سرکاری حکم سے آپ کے خاندان کے سپرد تھی[۲]۔ آپ کی فرودگاہ آج بھی "دیوان محل" کے نام سے کھیڑی میں مشہور ہے۔ مگر آپ کسی محل میں نہیں بلکہ ایک حجرے میں گوشہ نشین تھے جس پر کھپریل کی پوشش تھی۔ اسی سے متصل آپ کا مدرسہ تھا جس میں آپ کے بعد برسوں تک آپ کے خاندان کے افراد نے علم و معرفت کے چراغوں کو روشن رکھا۔

حضرت دیوان شاہ صاحبؒ نے دیارِ دکن میں ایک ایسی روحانی سلطنت قائم کی تھی جس کی سرحدیں خلائقِ عامہ کے سوادِ قلب اور نواحِ ذہن تک پہنچتی تھیں۔ آپ توانگر تھے اور صاحبِ مال و جاہ بھی، مگر سلطانی میں درویشی کا عنصر غالب تھا اور یہ درویش سلطان بھی خوب ہوتے تھے جو ملک گیری کی بجائے دستگیری فرماتے تھے اور تسخیرِ مملکت کی جگہ تالیفِ قلوب کرتے تھے۔ یہ اللہ کے بندے، بندوں کی بندگی اور لوگوں کے دلوں اور ذہنوں پر فرمانروائی کرتے تھے۔ ان کی گلیوں میں ٹوٹے ہوئے دل اس طرح جڑ جاتے تھے کہ بقول عرفی ؎

---

[۱] نقل فرمانِ عالمگیر ۱۰ر شوال ۳۶ جلوس مطابق ۱۱۰۳ھ

[۲] نقل فرمانِ عالمگیر ۱۵ر صفر ۴۹ جلوس مطابق ۱۱۱۶ھ

ع چناں کہ خود شناسی کہ از کجا بشکست

یہی ان کی سب سے بڑی کرامت تھی۔ ایسے ہی کتنے خاکسارانِ جہان تھے جن سے مطلق العنان شہنشاہیت پر لرزہ طاری رہتا تھا۔ یہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ کا ارشاد تھا جس نے کسی غیاث الدین تغلق کے مقدر سے دلی اور دلی کی حکومت دور ہی رہنے دی۔ وہ دکن کا کوئی بندہ نواز گیسو دراز تھا جس کی زلف گرہ گیر کے ہزاروں اسیر تھے اور جس کی عوامی مقبولیت نے فیروز شاہ بہمنی کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ ایسا ہی کوکن کا کوئی کوہکن تھا جس کے جود وسخا کے چشمۂ شیریں سے زندگیوں کی اجاڑ کھیتیاں سیراب ہوتی تھیں اور جس نے پرتگیزوں کی سنگدلی کے خلاف پرگنہ اسلام آباد میں تیشۂ جہاد اٹھایا۔[۱]

قرونِ وسطیٰ کے اسلامی معاشرے کی ذہنی و شعوری نمائندگی کرنے والوں میں صوفیائے کرام پیش پیش تھے۔ ان امن کے پیامبروں اور صلح کل کے مبلغین نے بدامنی اور انتشار کے دور میں بھی اپنی خانقاہوں میں علم و عمل کے چراغوں کو بجھنے نہیں دیا۔ انھیں میں وہ عوامی شاعر تھے جنھوں نے عرب و عجم کی مذہبیہ شاعری اور تشبیہات و استعارات کی تصوراتی کائنات سے الگ ہو کر مقامی بولی میں ایک نئی فکری و علمی دنیا تخلیق کی تھی اور انھیں خانقاہوں میں ان کے اعجاز مسیحائی کے سبب اردو زبان نے پہلے پہل بولنا سیکھا۔ ایسی ہی ایک خانقاہ قصبہ اسلام آباد کے ہنگاموں سے دور ــــ دیوان شاہ صاحبؒ کے انعامی دیہات

۱۔ تذکرۃ المشائخ، ذکر دیوان شاہ صاحبؒ

گوری پاڑہ میں آباد تھی[۵۱] جسے تکیۂ باواحسین کہتے تھے۔ اس میں باباصاحبؒ کے داد و دہش کا لنگر چلتا تھا جس کے سہارے نجانے کتنے فقراء و مساکین کے سفینۂ حیات چلتے تھے' ان درویشوں میں سلسلۂ مداریہ کے فقراء[۵۲] اور چشتیہ سرگروہوں کی بڑی تعداد تھی (چہلہ مدار، مداری فقیروں کا خاص تکیہ تھا۔[۵۳]) خانقاہ جسے اب مسافرخانہ کہتے ہیں عبداللہ باڑی یا باغ عبداللہ میں واقع تھی۔ یہیں آپ نے اپنے مرشد کے قیام کے لئے ایک بنگلہ تعمیر کرایا تھا جو بنگلہ سلیمان شاہ کے نام سے برسوں معروف رہا۔ سلیمان شاہ کا مزار بھی ایک سنگین بلند چبوترے پر آپ ہی نے بنوایا تھا۔ ان دونوں عمارتوں کی نگرانی اور اخراجات درگاہ دیوان شاہ کے اوقاف میں شامل تھے۔ حسنِ عبادت اور سکون قلب کو ہم آہنگ کرنے کے لئے گوری پاڑہ اور نارپولی کا قدرتی ماحول تھا۔ دور دور تک قصبہ کے رؤساء نزول۔ ناڈرے گونڈے۔ کوارمی، پاٹل وغیرہ کے دھان کے لہلہاتے ہوئے کھیت تھے۔ حاجی بابا اور دیگر مالکان کے آموں کے باغات تھے۔[۵۴] ان کے اردگرد باباصاحبؒ کا ابتدائے

---

۵۱ فارغطی ۱۱۹۱ھ ؛ محضر نامہ ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ ؛ پروانۂ مُہری وزیر الممالک برہان الملک ابوالمنصور خان سنہ احد جلوس احمد شاہ

۵۲ یادداشت نذر و نیاز درگاہ۔

۵۳ مختلف بیعناموں میں چہلہ مدار کا محل وُقوع وہیں بتایا گیا ہے جہاں آج بھی اس کا نشان موجود ہے' دیکھیے بیعنامہ ۱۱۸۱ھ جس پر خاندان سادات کے مختلف افراد کی مُہریں ثبت ہیں۔

۵۴ نقل (انگریزی) از موڑی، حلف نامہ سید محمد صاحب شمس الدین علی خاں ۳۱ جولائی ۱۸۸۶ء۔

(آموں کا باغ) تھا جس میں خود آپ نے آموں کی کئی قلمیں لگائی تھیں۔ آبپاشی کے لئے پختہ نہریں تھیں جن میں آپ کے بناکردہ "تالاب نصر اللہ" سے آب رسانی کی جاتی تھی۔

روایت ہے ــــ اور بعض روایتوں میں تاریخی صداقت کا دھندلا سا عکس ضرور اُتر آتا ہے کہ جب آپ نے فقر و تجرید کی راہوں میں قدم رکھا تو اپنا تمام مال و اسباب راہ خدا میں لٹا دیا۔ اور آپ کے پاس جو آبدار موتی تھے انھیں چکّی میں پسوا کر تالاب نصر اللہ میں پھینکوا دیا ــــ موتی لٹانے کی اس ادا میں عقلِ سلیم کو کوئی معاشی پہلو نظر نہیں آتا۔ دراصل یہ ایک درویش سلطان کی دریادلی کی صوفیانہ تمثیل و تلمیح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "آپ نیکیاں کرتے تھے اور دریا میں ڈالتے تھے"۔ اس قسم کے صوفیانہ استعاروں اور تشبیہوں کو جن پر کرامتوں کا دبیز غلاف چڑھا ہوا ہے، نئے اظہار کے سانچوں میں ڈھالنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم مسلم معاشرے کے ایسے صالح افراد کے کرداروں اور شخصیتوں کے خد و خال بجائے اندھے عقائد کی آنکھوں سے دیکھنے کے عقلی استدلال کی انگلیوں سے محسوس کرسکیں۔ تاکہ ہم ان کے شاندار علمی و تمدنی سرمائے کی صحیح قدر کرسکیں اور ان کی معاشرتی زندگی کی رعنائیوں اور سیاسی بیباکیوں کا سچائی کے سیدھے الفاظ میں تجزیہ و تفسیر کرسکیں۔

سیّد شاہ محمد بن سید محمد صادق قادری

حضرت دیوان شاہ صاحبؒ کا انتقال ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ء) میں قصبۂ اسلام آباد میں ہوا۔ جہاں آپ کا عالی شان مقبرہ ہے جسے آپکے نواسے سید قطب الدین محمد نے چالیس سال بعد تعمیر کردیا۔ دیوان شاہ صاحبؒ کی سجادہ نشینی اور ساتوں روضوں کی تولیّت کے وارث اور حقدار آپکے داماد سید شاہ محمد تھے کیونکہ سوائے اکلوتی صاحبزادی فاطمہ بی بی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ شاہ صاحب، قریبی عزیز تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب سولھویں پشت میں حضرت غوث الاعظمؒ سے ملتا ہے۔

مئی ۱۶۶۱ء میں جب مغلوں نے دوبارہ کلیان پر جسے مرہٹہ نرنجن کہنے لگے تھے، قبضہ کیا تو شاہ صاحب کو وہاں کا جاگیردار مقرر کیا گیا۔[۵] تاکہ "مال واجبی" کی رقومات کی برابر ادائیگی عمل میں آئے۔ کیونکہ اس عہد میں کوکن پر معاشی ابتری کا آسیب چھایا ہوا تھا اور زرعی نظام کی جڑیں سوکھ چلی تھیں۔ یہ تقرر بادشاہ زادہ محمد معظم صوبہ دار دکن کے حکم سے ہوا تھا جو بعد میں بہادر شاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ بادشاہ زادہ آپ کا ارادت مند تھا اور آپکے حال پر بجد لطف و کرم کرتا تھا۔

---

[۵] منتخب کاغذات عہد اورنگ زیب (حیدرآباد دکن) نمبر ۲۹

اسی بنے آپ کی مدد معاش کے لئے پرگنۂ اسلام آباد میں کواڑ بزرگ۔ کولیونی اور پیپل گھر کے قریے جو سونولہ کے ٹپہ سے متعلق تھے بخش دیے تھے۔[۵۱] اس کے علاوہ شاہ صاحب کے دو صاحبزادوں سید قطب الدین محمد اور سید محی الدین کو بیجاپور اور نلدرگ کے اضلاع میں بیہالہ اور بھوسکھہ کے دو مواضع در دلست (پورے) عطا کئے۔ عہد عالمگیر کے ۲۳ ویں اور ۴۸ ویں سالہاے جلوس میں جب ان انعامات کی تجدید اور بحالی عمل میں آئی تو ان کے مالیات کا ایک حصہ عرس و مولود و مقبرۂ دیوان شاہ خانقاہ باوا صاحب اور مدرسۂ اسلامیہ قادریہ کے اخراجات کے لئے وقف کر دیا گیا۔[۵۲]

شاہ صاحب کا انتقال ۱۱۰۳ھ کے لگ بھگ ہوا کیونکہ اسی سال کے ایک عالمگیری فرمان میں پرگنۂ اسلام آباد کے مذکورہ بالا تینوں قریے جو ٹپہ سونولہ کی عملداری میں تھے سید قطب الدین محمد سجادہ نشین کے نام منتقل کئے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔[۵۳] ان کے محصولات کا ایک معتد بہ حصہ مختلف روضات بالخصوص درگاہ علی المہائمی اور مساجد تلنگوکن کے علاوہ مدرسۂ اسلامیہ قادریہ کے اخراجات و مصارف کے لئے وقف کر دیا گیا تھا اور کچھ خاندان سادات کے صرف مایحتاج کے لئے مخصوص تھا جو اس وقت سید قطب الدین محمد کی بیوہ والدہ، بھائی نور الدین محمد اور بہن خدیجہ پر مشتمل تھا۔ وراثت میں نئے سجادہ نشین کو ایک کوکبہ، کتب خانہ اور

---

۵۱ نقل فرمان عالمگیر ۳۶ سنہ جلوس مطابق ۱۱۰۳ھ

۵۲ پروانہ مُہری وزیر الممالک برہان الملک ابو المنصور خاں سنۂ احد جلوس احمد شاہ

۵۳ ایضاً نقل فرمانِ عالمگیر۔

دیوان شاہ صاحب کی تمام جائداد منقولہ و غیر منقولہ ملی۔ مگر سب سے شاندار ترکہ جو سید قطب الدین محمد سجادہ نشین کو حاصل ہوا وہ ان کے نانا صاحب کے ہاتھ کا خط نسخ میں لکھا ہوا کلام اللہ تھا جس کے ترقیمے میں خود سید صاحب نے اپنے قلم سے "احوال واقعی" لکھا ہے اور اپنی مہر ثبت کی ہے۔[1]

سید قطب الدین محمد سجادہ نشین ۱۰۶۵ تا ۱۱۴۴ھ

جب نانا کا سایہ سر سے اٹھا تو سید صاحب کی عمر لگ بھگ گیارہ برس کی تھی۔ جیسا کہ آپ کے ایک ہبہ نامہ سے پتہ چلتا ہے جو آپ نے ۱۱۲۷ھ میں جب آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی تحریر کیا تھا۔ اس ہبہ نامہ میں آپ کا حلیہ اس طرح درج ہے۔ گندم رنگ۔ فراخ پیشانی۔ کشادہ ابرو، کالی آنکھیں بلند ناک۔ داڑھی اور مونچھوں کے بال کھچڑی۔ داہنی کنپٹی کے نیچے تل، بائیں آنکھ کے اوپر ایک مسّہ۔ دونوں کان درست ہیں۔[2]

گھر کے علمی ماحول اور دینی فضا میں مرشد زادے کی تربیت ہوئی۔ دینداری کا چرچا گھر میں تھا اور قصبہ میں خاندانِ سادات کی نیکیوں کا شہرہ تھا والد کی رحلت کے بعد جوانی کے عالم میں علمی زندگی کی پر پیچ راہوں میں قدم رکھنا پڑا جو سلوک و طریقت کے راستوں سے کم دشوار گذار نہ تھا۔ سجادہ نشینی اور مسند

---

[1] نسخۂ کلام اللہ بخط دیوان شاہ صاحب مملوکہ سید صلاح الدین پیرزادے صاحب جناب بھیمڑی (ملاحظہ ہو عکسی تصویر نمبر ۱)

[2] ہبہ نامہ عہد فرخ سیر ۱۱۲۷ھ۔ ملاحظہ کیجئے عکسی تصویر نمبر ۲

خلافتِ قادریہ کی جانشینی کسی مملکت کی سلطانی سے کم نہ تھی۔ تولیت کا دائرہ عمل پورے تعلقہ کے روضات و مساجد کے علاوہ قصبہ کی عبادت گاہوں۔ درگاہ قادریہ۔ بلغور خانہ اور تکیۂ باوا حسین تک پھیلا ہوا تھا۔ اس پر سفر مکہ کی دھن سر پر سوار تھی ۱۱۰۳ھ میں دیارِ حبیب پہنچے اور چند برسوں کے قیام کے بعد مراجعت کی۔ یہاں کاروبارِ زندگی کا نظام بگڑا ہوا تھا۔ قدیم موروثی انعامات۔ پرگنہ دیہر گورکھ بیتی اور واسندری کی سندِ استحقاق کی ابھی تک تجدید نہیں ہو پائی تھی۔

برسوں بعد جب بہادر شاہ کے عہدِ حکومت میں یہ جاگیریں بحال ہوئیں تو مرہٹوں نے ضبط کر لیں۔ بادشاہ نے قصبۂ گلشن آباد (ناسک) میں چند قطعات زمین صرف مایحتاج کے لئے عطا کئے تھے ان پر بھی "غنیم لئیم" کا قبضہ و تصرف ہو گیا۔[۵۱] عہد عالمگیر سے بندر مبارک سورت کے سرکاری خزانے سے پانچ سو روپئے وظیفہ مقرر تھا اس پر بھی قدغن بیٹھ گیا، بھولی بسری یادوں کی طرح کبھی کبھار آ جاتا تھا۔ سنہ ۱۱۰۸ھ / ۱۶۹۸ء میں غالباً اسی سال جب آپ زیارتِ حرمین شریفین سے لوٹے تھے۔ عالمگیر بادشاہ نے آپ کو مدرسۂ اسلامیہ قادریہ کی خدمتِ تدریس پر مامور کیا۔ دو دو پیئے یومیہ کا حکم دیا اور دیگر دو روپئے بلغور خانہ ہنگر تکیہ باوا حسین اور قصبہ کی مسجدوں کی تولیت کے فرائض انجام دینے کی غرض سے مقرر کیا۔[۵۲] برسوں آپ نے اپنے نانا کی درسگاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، جب تک بہادر شاہ سریر آرائے تخت رہا شاہی

---

۵۱ نقل پروانہ مہر حامد علی خاں سنہ جلوس محمد شاہ، بہ ماہ جمادی الاول ۱۱۴۰ھ،

۵۲ نقل فرمان عالمگیر سنہ ۱۱۱۶ ہجری

فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ سید قطب الدین صاحب کے بڑے صاحبزادے سید نورالدین محمد کو منصب و جاگیر عطا کر کے کرنالہ[۱] (پنویل) کا قلعہ دار مقرر کیا۔ اور غالباً سید صاحب ہی کے مشورے کے پیش نظر بادشاہ نے ۳ لاکھ روپے کی گرانقدر رقم ان کی تحویل میں دی تاکہ بھیمڑی میں قلعہ اور شہر پناہ کی تعمیر کی جائے۔ کام شروع بھی ہوگیا تھا (چنانچہ قدری دیوار ہائے شہر پناہ تیار ساختہ و بیست و پنج ہزار روپیہ براں خرچ کردہ) مگر شاہی طلب پر سید صاحب کو شاہ جہان آباد جانا پڑا تو تعمیر کا کام معرض التوا میں پڑ گیا۔ بقایا رقم پرگنہ کے شیخ یحییٰ دیوان کی تحویل میں دیدیے تھے جس نے سید قطب الدین کے انتقال کے بعد غبن کر لیا۔[۲]

شاہ جہان آباد کے دوران قیام میں سید صاحب کافی مقروض ہوگئے تھے۔ دلی کے نواب محمد امین جین بہادر اور ساہوکاروں کا تین ہزار کا قرض بعد میں سید صاحب کے فرزندوں سید ناصر الدین شہید، سید شرف الدین محمد اور سید شاہ محمد درویش نے اثاث البیت کو کبہ اور کتابیں بیچ کر ادا کر دیا تھا۔[۳]

درگاہ دیوان شاہؒ کی تعمیر

تالاب نصر اللہ اور عبداللہ باڑی کا قدرتی ماحول خود حضرت دیوان شاہ صاحبؒ کو

---

[۱] نقل پروانہ بمہر نظام الملک آصف الدولہ و بمہر جملۃ الملک مدار المہام معظم خان خانخاناں بہادر ظفر جنگ سنہ ۳ جلوس بہادر شاہ، اور یادداشت سید شرف الدین محمد ابن سید قطب الدین محمد۔

[۲] یادداشت۔ ایضاً

[۳] فارغخطی ۹ ربیع الثانی ۱۱۸۰ھ ہجری

پسند تھا۔ یہیں مرشد کی اقامت گاہ تعمیر کرائی اور یہیں چھوٹی سی عبادتگاہ بھی بنوائی تھی جو اب مسمار ہو چکی ہے۔ آپ نے اپنی آخری آرام گاہ کے لئے یہی جگہ منتخب کی تھی۔ یادِ الٰہی کے لیئے یہاں کی فضا خیال انگیز تھی کیونکہ یہاں معبود اور بندے کے درمیان ایک عظیم سناٹا چھایا رہتا تھا جس میں صرف ذکرِ خدا میں محو انسانی دل کی آوازیں گونجتی رہتی تھیں۔ عرفان کی منزلیں نظروں کے سامنے مظاہرِ قدرت میں جلوہ گر تھیں گھنے آموں کی سہانی مہکار سے جنگل کی خوشبوؤں سے لدی ہوئی ہواؤں اور کھیتوں کی نرم مٹی کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے دائمی سکون اور لازوال طمانیت کا احساس ابھرتا تھا اور قدرت اور انسان کو ملا دیتا تھا ایسے سحر انگیز ماحول میں سید صاحب نے بارہ برسوں کی کاوش اور صرف کثیر سے ایک ایسی عمارت تعمیر کی جس کی تہذیب، سادگی اور حسن کاری میں ان کے نانا کے کردار کی شائستگی، معاشرے کی ذہنی نفاست اور تصوف کی فعال قوت کے تمام پہلو جلوہ گر ہیں۔ عمارت کی طرزِ تعمیر میں عادل شاہی دور کے فنی روایات کو نہایت خوش اسلوبی مگر ضبط کے ساتھ برتا گیا ہے۔ درگاہ کی عمارت پر بیجاپور کے ابراہیم روضہ کا ہلکا سا عکس اتر آیا ہے۔ مگر پھر بھی معنوی فرق کی خلیج دونوں عمارتوں کے مقصدِ تعمیر کے درمیان موجود ہے۔

ایک بادشاہ کا روضہ ہے جس میں رعب و جلال کی فضا پیدا کی گئی ہے اور درگاہ ایک درویش اور صوفی کی آرامگاہ ہے جس میں سکون کی کیفیت ملتی ہے اور متانت و عقیدت کا احساس ابھرتا ہے۔ سنگین چبوترے کے وسیع احاطے

ہیں ایک مربع کرسی پر درگاہ کی عمارت ایستادہ ہے۔ سوائے مغربی حصّے کے جہاں درگاہ سے متّصل عبادت گاہ ہے۔ ہر سمت تین محرابوں کا تناسب رکھا گیا ہے۔ سنگ مرمر کا شطرنجی فرش جو صفائے قلب کی طرح مجلّاً ہے پیروں اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ تینوں طرف وسیع و عریض غلام گردشیں ہیں جن کے درمیان ایک حجرے میں چار مزار ہیں۔ یہیں حضرت دیوان شاہ صاحبؒ، صاحبزادی فاطمہ بی بی، داماد سید شاہ محمد اور دیوان شاہ صاحبؒ کے ماموں مدفون ہیں۔ جنوبی برآمدے میں بانیٔ درگاہ سید قطب الدین محمد کا مزار ہے۔ بیرون عمارت ایک متصل چہار دیواری میں دیوان شاہ صاحبؒ کی زوجۂ محترمہ کی قبر ہے۔ عبادت گاہ کے پیچھے خاندانی قبرستان ہے۔ ان میں سید شاہ محمد کا مزار زیادہ نمایاں ہے۔ یہ سید صاحب کے پوتے تھے۔ عمارت کی فصیل پر کنگوروں کی تراشی ہوئی نہایت متناسب بیل چاروں سمت پھیلی ہوئی ہے۔ اور چاروں گوشوں سے بلند مخروطی مینارے اور چھوٹی برجیاں اس طرح بلند ہیں گویا کنگوروں کی بیل کی ڈنٹھلیں ہیں۔ ان شگوفوں کی اوٹ سے عالیشان گنبد کا آدھا چاند نکلا ہوا ہے۔ حجرے کے چاروں دروازوں پر قطعات تاریخ کے کتبے ہیں۔ کاتب کا نام عبدالغفور علی ہے۔

جنوبی دروازے پر عربی کا کتبہ ہے۔ سنہ ۱۱۱۲ھ (مطابق سنہ ۱۶۹۹ء) کے درمیان "قبۃ الشرف" لکھا ہوا ہے۔

قبۃ الشرف، سمعنا اسمہا　　ومن العجائب اسمہا تاریخہا

قال قطب الدین بانیہا کذا　　السعادۃ و المنیٰ من بابہا

"خوش بختی اور آرزوؤں کے اس دروازے" کے پہلو میں مغربی دروازہ ہے۔ یہ حصہ

سنہ ۱۱۱۵ھ (مطابق سنہ ۱۷۰۳ء) میں تعمیر ہوا۔

منا داللہ، بنا دانًا بغیبٍ   بتاریخ عجیبٍ بل غریبٍ

مقامٌ للحسین بجدِّ قطبٍ   کبیتٍ اقدسٍ بدأ عجیبٍ

"یہ مقام جو قطب الدین کے نانا حسین کا ہے اسکی عجیب و غریب تاریخ بنا"

کے بازو میں شمالی چوکھٹ کا فارسی کتبہ ہے جس پر سنہ ۱۱۱۶ھ مطابق سنہ ۱۷۰۴ء

کی تاریخ درج ہے :۔

گنبدِ سلطان دیں چو بر زمیں شد سربلند

جنت از غیرت نہفتہ آسماں شد رقص مند ؛

یافت تاریخ تمامش بانی آں قطبِ دیں

قبۂ حسنِ حسینی نور در عالم فگند

"گنبد نے جب زمین سے سر اٹھایا تو جنت نے غیرت سے اپنا منہ چھپالیا اور رقص کرنے کی آرزو میں آسمان کے پیر تھر کنے لگے۔"

آخری کتبہ جس پر سال اتمام سنہ ۱۱۳۵ھ مطابق سنہ ۱۷۲۲ء درج ہے آستانے کے مشرقی دروازے پر ہے :۔

چوں زمیں شد جلوہ گر زیں گنبدِ عالی جناب

در میانِ بہر سازش طائف آمد چوں حباب

یافت تاریخ تمام ایں عمارت قطبِ دیں

نور می یابد مدام از حسنِ قبۂ آفتاب ۔

سید قطب الدین محمد صاحب جاہ
وہاں بھی تھے اور

جائداد و املاک درگاہ و خاندان سادات

صاحبدل بھی، داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ شاہ جہان آباد کے ساہوکاروں کے قرضے بھی ہاتھ روک نہ سکے۔ جائداد خریدنے کا شوق تعمیر کے ذوق سے کم نہ تھا۔ پھر بھی حوصلہ مند طبیعت کے آگے سارے مالی وسائل حقیر تھے اس لیے کہ نہ وہ شاہی دربار کے اسیر تھے اور نہ دولت کے فقیر۔ مسند سجادگی پر خلیفہ کا درجہ رکھتے تھے۔ اور نانا کی خانقاہ میں مریدوں اور درویشوں کا دربار لگاتے تھے عوام میں نسبی برتری اور دیوان شاہ صاحبؒ سے "نسبت نواسہ گی" کے سبب روحانی پیشوا تسلیم کیے جاتے تھے۔ حکمران طبقہ میں "حقائق و معارف آگاہ" کے القاب سے یاد کیے جاتے تھے۔ جب تک جیتے رہے مغل بادشاہوں کی عنایات خسروانہ کا سایہ سر پر رہا اور شاہی الطاف و اکرام کی فتوحات کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پایا۔

بہادر شاہ نے قصبہ گلشن آباد میں تین چادر (فی چادر = ۱۲۰ مربع بیگھہ) اراضی صرف مایحتاج کے لیے عطا کی تھی۔ محمد شاہ نے اڑگاؤں اور ناندور دلیپک کے مواضع سے ایک ایک چادر زمین دے کر انعام میں اضافہ کر دیا۔ سید صاحب کے ہبہ نامے میں جو آپ نے اپنے چھوٹے فرزند سید شرف الدین محمد کے نام لکھا تھا ٹپہ سدنولہ۔ بڑودہ اور پونہ میں کئی زمینوں کا ذکر ملتا ہے جن کی آمدنی برائے اخراجات ہفت روضات، اعراس، خدمت درویشاں اور خدمت مساجد کے لئے وقف تھی۔ پرگنہ اسلام آباد میں راہور دیہات میں بھی چار چادر کا ایک قطعہ

اراضی درگاہ دیوان شاہ کے اوقاف میں شامل تھا۔[۵] ان تمام املاک کے علاوہ مندرجہ ذیل جائداد منقولہ و غیر منقولہ آپ نے اپنے مذکورہ بالا فرزند کے نام ۱۱۲۷ھ عہد فرخ سیر میں ہبہ کر دیا تھا "حویلی ہا و دکاکین و بکھار ہا و زمین و غیرہ املاک جزو کل و اشجار انبہ ہا و غیرہ و تالاب نصر اللہ و باغ عبد اللہ باری غیرہ متعلقہ روضہ منورہ حضرت دیوان شاہ حسین قادری قدس سرہٗ واقعہ قصبہ اسلام آباد عرف بھیمری و کلیانی ......" تالاب کی مچھلیوں، آموں اور املی و کرنج کے درختوں سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ بھی ان اوقاف میں شامل تھی۔ سید صاحب کی تمام جائداد زرخرید اور موروثی کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۱۔ **حویلی کلاں عرف محلسرا** (بھیمڑی) یہ آپ کی اقامت گاہ تھی جو آپ نے خود تعمیر کرائی تھی۔ مختلف قبالات شرعیہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نہایت کشادہ، سنگین اور پختہ عمارت تھی جس میں ایک بڑا دالان (کلاں) تھا جس میں دو حجرے تھے، تین چھوٹے دالان (خورد) تھے۔ ایک میں حجرہ اور زینہ تھا دوسرے میں دیوان خانہ تھا جو مردانہ بیٹھک تھی اور تیسرے دالان خورد میں حجرہ اور منڈوی تھی۔ حویلی کلاں میں ایک بالاخانہ بھی تھا جس کی تختہ پوشی نہایت نفیس تھی۔ اس محلسرا پر کھپریل کی پوشش تھی۔ ایک پختہ چہار دیواری اور وسیع باڑے میں یہ عمارت [محلہ حمالان] میں واقع تھی۔ سید صاحب نے خود اس کے صحن میں آموں کی کئی قلمیں لگائی تھیں، مگر ۱۱۹۰ھ تک ان کے

حاشیہ متعلق صفحہ ۳۰ ۵ ہبہ نامہ سید قطب الدین ۲۲ رجمادی الاول سنہ ۱۱۲۷ہجری۔ ملاحظہ ہو عکسی تصویر خط نمبر ۲
سلہ شقہ (اصل) ۱۹ رجمادی الاول سنہ ۳ جلوس موافق سنہ ۱۱۶۰ھ : یادداشت سید شرف الدین محمد

صرف تین درخت محفوظ رہ گئے تھے[۵۱] اسی وسیع احاطے میں حضرت دیوان شاہ صاحبؒ کا حجرہ بھی تھا جس سے متصل مدرسۂ اسلامیہ قادریہ تھا جس کے اوپر بعد میں سید صاحب نے ایک منزل کا اضافہ کر کے ایک مسجد بنوالی[۵۲]

۲۔ ماڑی کلاں :۔ یہ ایک دوسری پختہ سنگین عمارت تھی اور قصبہ میں فرنگی طرزِ تعمیر کا واحد نمونہ تھی۔ اسے "ٹوپے دار حویلی" بھی کہتے تھے اس لئے کہ اس کی چھت کُلاہی شکل کی تھی۔ اس کے آگے ایک صحن تھا۔ سنہ ۱۱۸۰ھ کے ایک بیعنامہ میں اس کا ذکر اس طرح ہے :۔ "ماڑی ٹوپہ کلاں مع یک درخت انبہ کہ مقابل حویلی مرقومہ الصدر [حویلی کلاں] سہ طبقہ پختہ سنگین بطور عمارت فرنگیاں مرتب بود شکستہ است"[۵۳]

محلسرا اور ماڑی ٹوپہ کلاں میں سید صاحب کے بعد ان کے بیٹے سید شاہ محمد درویش اور سید شرف الدین محمد سجادہ نشین رہنے لگے تھے۔ سنہ ۱۱۸۱ھ میں سید صاحب کے تمام وارثوں نے مذکورہ بالا دونوں حویلیوں کو مسماۃ بدرالنساء بیگم بنت محمد رضا جو سید شرف الدین محمد سجادہ نشین کی بیوی (عیال) تھی کے ہاتھوں مبلغ دو ہزار دو سو پچیس (۲۲۲۵) روپیوں میں فروخت کر دیں۔ بدرالنساء بیگم

---

۵۱ فارغخطی ۹ ربیع الثانی سنہ ۱۱۸۱ھ

۵۲ ایضاً : شہادت نامہ سید اکبر علی خاں ۹ ربیع الثانی سنہ ۱۱۸۲ھ

۵۳ بیعنامہ ... بدرالنساء (سنہ ۱۱۸۰ھ)

نے بعد میں اسی سال حویلی کلاں کو اپنے شوہر کے ہاتھوں اسی رقم میں بیچ کر حق ملکیت از روئے شرع اس کے نام منتقل کر دیے۔[1]

۳۔ کوٹھار۔ محاسرا سے متصل چار کوٹھریاں تھیں۔ ان میں سے ایک کھپریل کی چھت والی جو ماڑی ڈیوڑھ کلاں کے پیچھے تھی ۱۱۹۱ھ تک سید نور الدین محمد کی بیوہ عزیزۃ النسا بیگم عرف بادشاہ صاحب بنت محی الدین خلے (ولد عبد القادر نکی) کے ایام بیوگی میں اقامت کا کام دیتی تھی۔[2]

۴۔ حویلی نانکری :۔ سید صاحب نے اس حویلی کو محمد لنگ نانکری سے خرید لیا تھا (محل وقوع معلوم نہ ہو سکا)

۵۔ بکھارہا :۔ دو بکھاروں کا ذکر ملتا ہے جن کے کرایہ دار محمو جی بنسالے اور حسن محمد وبا ۱۱۹۱ھ ہجری میں سالانہ نو روپئے اور سترہ روپئے کرایہ ادا کرتے تھے۔ بدرالدین انجا (بدرو آنجا) اور محمد مقری کرایہ داروں کے بھی نام ملتے ہیں۔[3]

۶۔ دکاکین :۔ ایک دکان بقال لالہ انجی سیٹھ کی تابع میں تھی جو بازار خورد (مارکیٹ) میں واقع تھی۔[4]

---

[1] بیعنامہ ۱۱۸۱ھ ہجری

[2] فارغخطی ۔ ایضاً

[3] بیعنامہ سید شرف الدین محمد ۔ ماشک مورخہ شعبان [illegible]ھ

[4] [illegible]

۷۔ گھارہا۔ کئی گھروں کا ذکر مختلف بیعناموں اور ہبہ ناموں میں ملتا ہے[۵۱]

۸۔ **قطعات زمین:**۔ احاطہ میں شکستہ چہار دیواری کے اندر اور باہر کئی قطعات زمین تھے جن میں سے تین ویران اور غیر آباد تھے۔ انھیں ۱۱۸۵ھ میں مختلف وارثوں کی بیویوں نے خود خرید لئے کیونکہ ان کے شوہر جو بربنائے حق وراثت از روے شرع اگر خرید لیتے تو کاغذ بیعنامہ ان کے نام سے مربوط اور درست نہ ہوتا۔ ان کی تفصیل یوں ہے۔

(۱) قطعہ زمین ویران: مشرق میں کوچہ نافذہ (عام گلی) اس کے پیچھے شیخ محمد ولد محمد غیاث بوہرہ کا مکان۔ مغرب میں شارع عام (سڑک) جنوب میں حویلی سید قطب الدین محمد (مرحوم) کی دیوار اور شمال میں محمد صدیق ولد محمد علی پیلہ اور قاسم خاں جمعدار کے مکانات۔ اس زمین کو مسماۃ مہر النساء بیگم بنت غلام محی الدین ولد محمود جی علی چودھری پرگنہ اسلام آباد وسر رشتہ تکوکن نظام الملکی۔ جو سید اکبر علی خاں ولد سید جاہ محمد ولد سید شاہ محمد درویش کی بیوی تھی مبلغ ایک سو چھتر روپوں میں مندرجہ ذیل وارثوں سے خرید لیا۔

(الف) سید شرف الدین محمد، سید قطب الدین محمد خان بہادر بن نواب سید نور الدین محمد (جو مرحوم باپ کی طرف سے حقدار تھا) عنایت بیگم

---

[۵۱] ہبہ نامہ سید قطب الدین محمد سجادہ نشین ۱۱۲۷ھ؛ یادداشت بابت فروخت املاک۔

اور غلام قادر جو فاطمہ بیگم مرحومہ کی طرف سے بنائے استحقاق رکھتے تھے یہ فاطمہ بیگم نواب سید نورالدین محمد کی بیٹی تھی۔ اس کے علاوہ مذکورہ بالا نواب کا ایک اور لڑکا سید وجیہ الدین اور دو لڑکیاں شمس النساء بیگم او رحیم النساء بیگم وارثین میں شامل تھے۔ سید اکبر علی خاں اپنے والد سید جاہ محمد کی جو اس وقت اراکاٹ میں صدر و محتسب کے عہدے پر تھا نمایندگی کر رہا تھا۔[1] اور سید قطب الدین محمد (مرحوم) کی اکلوتی صاحبزادی فاطمہ بیگم خیال مخلص علی خاں بھکری از روئے شریعت حقدار ارث تھی۔

(۲) قطعۂ زمین: مشرق میں سید قطب الدین محمد کی زمین مغرب میں سنگین پختہ پایہ جو قبرستان اور قبر شاہ[2] پیر صاحب قدس سرہٗ سے متصل تھا۔ شمال میں "تالاب ہونالہ"۔ جنوب میں سڑک۔ یہ پلاٹ "چہلہ مدار" کے روبرو محلہ حمالان میں واقع تھا[3] مذکورہ بالا تمام وارثوں نے اسے عزیزۃ النساء بیگم عرف بادشاہ صاحب کے ہاتھوں سوا سو روپوں میں میں فروخت کر دیا۔

(محرم ۱۱۸۱ ہجری)

(۳) قطعۂ زمین معہ باڑہ: مشرق میں بکھار کی اندرونی زمین۔ مغرب میں بکھار اور باڑہ کی زمین جو تالاب ہونالہ کے مابین واقع تھی۔ شمال میں

---

[1] قبالہ ۱۱۸۱ھ

[2] بیعنامہ ۱۹ محرم ۱۱۸۱ ہجری، اس جگہ چھپا ہوا ہے غالباً مقری شاہ پیر صاحب قدس سرہٗ ہوگا

[3] بیعنامہ محرم ۱۱۸۱ھ

rekhta

باڑہ کی زمین اور کھار جو قبرستان سے متصل تھا۔ جنوب کی حد نامعلوم یہ بھی "روبروے چھاپہ مدار در محلہ حمالان" واقع تھی۔ تمام وارثوں نے اسے ۱۱۸۱ھ میں زیب النسا بیگم عیال مرزا حسین بیگ ولد مرزا امان اللہ بیگ کے ہاتھوں ڈھائی سو روپیوں میں بیچ ڈالا۔ زیب النساء یا زینت النساء بیگم (غالباً) سید قطب الدین محمد خان بہادر بن نواب سید نور الدین محمد کی صاحبزادی تھی[۵۵] اس پر مندرجہ ذیل افراد کی مہریں ثبت ہیں۔

(۱) سید شرف الدین محمد (۲) سید قطب الدین محمد خان بہادر (۱۱۶۳ھ) (۳) عزیز النساء (۴) سید اکبر علی خان (۱۱۹۴) (۵) وجیہہ الدینم از نور محمد (میں وجیہہ الدین ہوں از نور الدین محمد) (۶) عنایت بیگم (۱۱۸۱ھ) (۷) غلام قادر ام (۸) رحیم النساء بیگم (۱۱۶۶ھ)

۹۔ باغ کلیان: کلیان قصبہ میں ایک ناریل کا باغ سید صاحب کی ملکیت میں تھا۔ یہ سنہ ۱۱۰۰ ہجری میں طاہتلی خاندان کے قبض و تصرف میں تھا جنہوں نے اسے کلیان کے ایک رئیس نانک جی مہربان جی کو اجارے پر دیدیا تھا[۵۶] یہ باغ معتبرہ یا معتبر خاں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ مگر سید اکبر علی خاں نے اپنے ایک فارغ خطی میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ "نواب مرحوم مغفور [معتبر خاں] داز اجداد من معتبر

واں صاحبان ۔ ہیچ تعلق نیست و ندارد" تا بورثہ باغ چہ رسد ۔" مگر سید نورالدین محمد یعنی سید اکبر علی خاں کے تایا نے اسے اپنی ملکیت میں لے لیا تھا[1]

۱۰۔ **املاک مہائم** : بندر مہائم تعلقہ جزیرہ ممبئی (بمبئی) میں گائے واڑی کے نام سے ناریل اور سپاری کے دو باغ سید صاحب کی ملکیت میں تھے پکی اینٹوں کی چہار دیواری کے اندر دو حویلیاں اور دو پختہ باؤلیاں تھیں ۔ سنہ ۱۱۸۰ ہجری میں یہ ساری جائداد مریم بیگم بنت محمد یٰسین خان ولد حاجی احمد لبا نے خرید لی[2] یٰسین خاں کی خاندانِ سادات سے قرابت داری تھی ۔ اس کا مزار درگاہ دیوان شاہ صاحب کے قبرستان میں ہے ۔ اس پر ایک کتبہ بھی ہے[3]

۱۱۔ **حویلی بندر مبارک سورت** : ایک بڑی حویلی جو کسی وقت بھائی داس قانون گو کے نام سے مشہور تھی ، شاہی حکم سے سید صاحب کو بخش دی گئی تھی ۔ اس پر مٹی کا ڈھایا تھا (چھپر سفال پوش) ۔ ایک باغیچہ بھی متصل تھا[4]

۱۲۔ **حویلی معتبر خاں مرحوم** ، خجستہ بنیاد اورنگ آباد میں محلہ

فارغ خطی سید اکبر علی خاں ۹ ربیع الثانی سنہ ۱۱۸۰ھ

ایضاً

ہبہ نامہ بنام حاجی غلام امام حسین خلف محمد یٰسین خاں ۔ کتبہ یہ ہے :-

عدم بود اول ہم آخر عدم ٭ بغفلت چنین داری ہمیں دم قدم

چہ خوش گفت تاریخ [illegible] ٭ بحق گشت یٰسین ملحق بہم

فاضلپورہ میں نواب معتبر خاں کی بہت بڑی جائداد تھی جو کئی محلسراؤں پر مشتمل تھی۔ اس میں محلسرائے کلاں، محلسرائے خورد اور محلسرائے بیرون تھے۔ دیوان خانہ خلوت خانہ، حمام اور شاگرد پیشہ ان حویلیوں میں شامل تھے۔ سواریوں کے لئے ایک طویلہ بھی تھا۔ صحن میں چوبی کھمبوں کے پاکھوں پر، تختوں کے سائبانوں کے نیچے پانی کے حوض تھے۔ اسی طرح زیب و زینت کے لئے کھپریل کے چھپروں کے نیچے فوارے لگے ہوئے تھے۔ صدر دروازے سے باہر چھ دکانیں تھیں جن میں اورنگ آباد کے پارچہ فروش کرایہ دار تھے۔ وسیع صحن سے متصل دیگر تین دکانیں تھیں۔ یہ جائداد مع توابع وعملہ، بہادر شاہ نے سید صاحب کو بخش دی تھی۔ ممکن ہے ان املاک کی تولیت مقصود تھی، کیونکہ مغل آئین کی رو سے ہر امیر کے مرنے کے بعد اس کی ساری جائداد غیر منقولہ پر حکومت کی ملکیت کا اطلاق ہوتا تھا۔ محمد شاہ نے اپنے فرمان کی رو سے حویلی معتبر خاں سید صاحب کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے سید شرف الدین محمد کے نام ۱۱۴۹ھ میں منتقل کر دی تھی[۵۱]۔ مگر نئے منتقل الیہ نے اپنے بڑے بھائی سید شاہ محمد درویش کی توسط سے اسے اورنگ آباد کے ایک رئیس میر حسین علی اور اس کے اعزا کے ہاتھوں ۹ ہزار ۹ سو روپوں میں فروخت کر دی[۵۲]

۱۳۔ حویلی شاہ جہان آباد۔ بہادر شاہ نے سید صاحب کو شاہجہان آباد

---

[۵۱] اصل فرمان مہری محمد شاہ بادشاہ غازی غرہ ربیع الثانی ۱۹ جلوس۔

[۵۲] فارغخطی ایضاً۔ سند لادعوی مہری سید شاہ محمد قادری مؤرخہ ربیع الاول ۲۰ جلوس مطابق ۱۱۶۳ھ

طلب کیا تھا جیسا کہ ان کے فرزند سید شرف الدین محمد کے ایک نامکمل یادداشت سے معلوم ہوتا ہے۔ دوران قیام میں محلہ دارا پور میں ایک وسیع کشادہ حویلی آپ کے تابع میں تھی جو ممکن ہے بادشاہ سلامت کی دین ہو۔ اس میں کئی دالان تھے اور دو حجرول، ایک صحن اور ڈیوڑھی پر مشتمل تھی۔ اس میں اعلیٰ قسم کے پتھر استعمال کئے گئے تھے۔ حویلی سے متصل حسب دستور چھ دکانیں تھیں۔ یہ ساری جائداد سید صاحب کی بھتیجی بدرالنسا بنت سید نورالدین محمد کو ترکے میں ملی تھی جس نے اسے فروخت کر دیا تھا۔[1]

مذکورہ بالا یادداشت (غیر مؤرخہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے بارہ ہزار اشرفیاں (طلا) نقد ترکے میں چھوڑی تھیں۔ جو آپ کی زوجہ محترمہ کی تحویل میں تھیں، عمر خاں نامی کلیان کے ایک فوجدار نے اسی زمانے میں (۱۱۴۴-۴۵ھ) لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ خاندان سادات کا متوّل اس کی آنکھوں کا کانٹا تھا۔ اس عفیفہ نے ڈر کے مارے اپنا سارا سرمایہ شیخ یحییٰ دیوان کے پاس امانت رکھکر تھانہ میں پناہ لی۔ عمر خاں شیخ یحییٰ سے مواخذہ تو نہ کر سکا کیونکہ وہ خود فرار ہو چکا تھا مگر اس کے کارکنان شیخ احمد کھنو اور ملا ابراہیم اذنی کو گرفتار کر کے زدوکوب کیا۔ حالات سازگار ہونے کے بعد نواب سید نورالدین محمد اور سید شرف الدین محمد اور ان کی بیوہ والدہ نے اشرفیوں کی بازیافت کے لئے بہت ہاتھ پیر مارا مگر شیخ یحییٰ دیوان جب سرکاری خزانے کے دو لاکھ چھہتر ہزار روپے

---

[1] سند نامکمل اور غیر مؤرخہ

جو برائے تعمیر شہر پناہ بھیمڑی سید صاحب نے اُسے دیے تھے۔ نہ لوٹا سکا۔ تو۔ یہ تو بیوہ اور یتیموں کا مال تھا۔

مرشد زادوں میں نواب سید نورالدین محمد خان بہادر، سید شاہ محمد درویش اور سید شرف الدین محمد کے علاوہ ایک اور فرزند ناصرالدین شہید کا پتہ چلتا ہے[1]۔ یہ غالباً وہی ناصرالدین ہے جس کے نام سے ایک مسجد عہدِ عالمگیر میں قصبۂ اسلام آباد میں مشہور تھی اور جس کے "خدامہ" حسن عبدالقادر امام احمد ولد عمر موذن وجاروب کش اور عبدالکریم ولد محمود سقا تھے جنھیں سید صاحب کے التماس پر ۱۱۱۶ھ میں خادمانِ مسجد عبداللہ کے اشتراک میں سرکاری خزانے سے یومیہ اور چند بیگھے آراضی حکومت نے عطا کئے تھے۔ موخرالذکر مسجد کا محل وقوع " امین الدین پور متصل قصبہ اسلام آباد بتایا گیا ہے[2]۔ کیا عجب کہ یہ امین الدین پور، نظام الدین پور یا نظام پورہ کا سابق نام ہو۔

سید صاحب کی اکلوتی بیٹی فاطمہ بیگم کا ۱۱۸۹ھ تک کے قبالات شرعیہ میں ذکر ملتا ہے۔ یہ ایک منصب دار مخلص علی خاں مھکری سے بیاہی ہوئی تھی۔

نواب سید نورالدین محمد خان بہادر (م ۱۱۶۹-۷۰ھ)

نواب سید نورالدین محمد۔ سید صاحب کا سب سے بڑا فرزند

ف۱ فارخطی سید اکبر علی خاں ۹ ربیع الثانی ۱۱۸۱ھ

ف۲ نقل پروانہ بمہر جملۃ الملک مدارالمہام امیرالامراء ۲۸ ذی الحجہ ۴۸ جلوس مطابق ۱۱۱۶ھ

تھا[۱] اور جاہ و تجمل میں سب بھائیوں سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ ۱۱۲۱ھ میں بہادر شاہ نے منصب و جاگیر عطا کر کے کرنالہ (پنویل) کی قلعداری پر مامور کیا۔[۲] منصب نے خان کا خطاب عطا کیا اور چار دیہاتوں کی انعامی جاگیر نے نواب بنا دیا۔ جود و سخاوت میں خاندان سادات کی روایات کو برقرار رکھا اور اقربا پروری میں بزرگ باپ کا مشرب اختیار کیا۔ جب تک جیتا رہا اپنے چھوٹے بھائی سید شرف الدین محمد کو سوا سو روپئے ماہانہ خوراک و پوشاک اور پالکی کے اخراجات کے لئے دیتا رہا۔ اس کا اعتراف خود موخر الذکر نے اپنی ناتمام یادداشت میں کیا ہے۔ سید شاہ محمد درویش کی بیوہ یعنی اپنی بھابی کا سارا قرضہ اسی نے اتارا اور اس کی وفات کے بعد آخری رسوم اسی نے ادا کئے۔[۳] آخر وقت تک کرنالہ میں مقیم رہا اور غالباً وہیں مدفون ہے سن وفات کا تعین ۱۱۶۹-۷۰ھ کے لگ بھگ کیا جا سکتا ہے۔

کرنالہ کا قلعہ عہد قدیم سے فوجی مرکزیت اور عسکری اہمیت کا حامل تھا۔ کیونکہ یہ دونوں تلکوکن کا پاسبان تھا اور جنوبی کوکن کے علاقے کا پہلا قلعہ تھا جو ۱۵۶۰ فٹ بلند ہے۔ دیوگری کے یادو کے بعد بہمنیوں،

---

[۱] قسمت نامہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۸۰ھ

[۲] نقل پروانہ بمہر نظام الملک و بمہر حلیۃ الملک مدار المہام معظم خاں خانخاناں بہادر ظفر جنگ ۹ ذیقعدہ سنہ ۳ جلوس مطابق ۱۱۲۱ھ (مہر قاضی عبدالحمید خاں)

[۳] فارغخطی سید علی اکبر خاں۔ ۹ ربیع الثانی ۱۱۸۰ھ۔

مگر انیوں اور مغلوں نے ہمیشہ اس پر اقتدار رکھنے کی کوششیں کیں۔ سید نور الدین محمد نے ۱۱۴۶ھ/۱۷۳۵ء میں اس کی مرمت کرائی۔ بیرونی دروازے کی بلند پیشانی پر اس کا بلند نام آج بھی تابناک ہے۔[1] گو خود اس کی فوجی سرگرمیاں اور زندگی کے واقعات پر تاریخ کا گھونگھٹ پڑا ہوا ہے۔

نواب صاحب جاہ و مال بھی تھا اور صاحب اولاد بھی۔ ساٹھ ہزار نقد اور چار دیہات اپنے بچوں کے ترکے میں چھوڑے جن میں سب سے بڑا سید قطب الدین محمد تھا۔ دوسرے لڑکے کا نام وجیہہ الدین تھا۔ لڑکیوں میں مندرجہ ذیل چار نام ملتے ہیں

(۱) فاطمہ بیگم جس کا باپ کی حیات میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے دو بچے غلام قادر اور عنایت بیگم وارث جائداد و حق تھے۔[2] مہدی علیخاں شوہر کا نام تھا۔

(۲) رحیم النساء بیگم علی نقی خاں سے بیاہی ہوئی تھی اور

(۳) شمس النساء بیگم محمد پناہ خاں نامی ایک شخص سے منسوب تھی۔

(۴) عنایت بیگم خود نواب کی ایک لڑکی کا نام تھا جس کے شوہر کا نام سید عنایت اللہ عرف سید نور الہدیٰ تھا۔[3]

یہ سید صاحب غالباً مولانا قمر الدین اورنگ آبادی کے صاحبزادے تھے

۱؎ دیکھئے گزیٹیر تھانہ صحہ تا جلد بد مقامات "کرنال"

۲؎ قسمت نامہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۸۱ھ

۳؎ مبض الوصول (خستہ) [۱۱۸۱ ہجری]

جو والد بزرگوار کے ساتھ مع اقربا و متعلقان سنہ ۱۱۴۲ھ میں بھیمڑی تشریف لائے تھے جہاں سے وہ حج کو گئے۔ مولانا صاحب کے عیال و اطفال ایک سال تک یہاں مقیم رہے۔[۱]

بھیمڑی میں درگاہ دیوان شاہ بابا صاحب کے نواح میں جو سنگین کنواں "دودھ باؤلی" کے نام سے موجود ہے وہ نواب سید قطب الدین[۲] محمد کے چشمہ جُود کا ثبوت ہے۔ اس میں دو کتبے ہیں۔ فارسی کے کتبے پر یہ عبارت ہے:-

"چاہ شیر بنائے سید قطب الدین محمد خان بہادر سنہ ۱۱۹۲ھ متعدد۔"

مرہٹی کے کتبے ہیں :-

"شک ۱۶۸۴ اور فصلی سال سنہ ۱۱۸۱ھ کے بعد ناؤ کے بابلا۔"

معمار کے نام کا بھی ذکر ہے۔ جاگیردارانہ نظام معیشت میں ایسے بہت کم حوالے ملتے ہیں جن میں معماروں اور ہنرمندوں کی اجتماعی محنت اور سماجی کاوش کو اس طریقہ سے سراہا گیا ہو۔

سید قطب الدین محمد بن سید نورالدین محمد نے بابا معمار کی محنت اور عرق ریزی کا سب سے شاندار صلہ یہ دیا ہے کہ اس کے نام کی آبرو رکھ لی ہے۔

۱؎ تذکرہ اولیائے دکن حصہ دوم ص ۹۵/۶۱۱ - ۶۹۲/۷۰۹ مصنف مولانا ابوتراب عبدالجبار خاں صاحب صوفی ملکاپوری

۲؎ گزیٹیر کے مصنف سے یہاں سہو ہوا ہے "چاہ شیر" کو بظاہر سید قطب الدین محمد بانی درگاہ یعنی اصل بانی سید قطب الدین محمد بن سید نورالدین محمد کے دادا کی طرف منسوب کیا گیا ہے جن کا انتقال سنہ ۱۱۴۳ھ میں ہو چکا تھا۔ دیکھئے تھانہ گزیٹیر حصہ قابل دید مقامات "تذکرہ بھیونڈی ص ۴۸ (سنہ ۱۸۸۲ء)"

سید شاہ محمد درویش (متوفی ۱۱۶۳-۶۴ھ)

شاہ محمد کمسنی ہی میں منشی ابوالفضل کی طرح باپ کی درسگاہ میں استادی کے رتبے پر پہنچا۔ بادشاہ عالمگیر نے بھی سنہ ۱۱۰۶ھ میں شاہی فرمان صادر کرکے اس کے استحقاق علمیت و تدریس کو تسلیم کرلیا۔ دو روپئے یومیہ پر مدرسۂ اسلامیہ قادریہ کی خدمتِ تدریس سپرد ہوئی اور مسجد قادریہ اور دیگر مساجد قصبہ کے علاوہ موروثی بلغور خانہ جس میں مفت دھان کوٹ کر لوگوں کو بلا معاوضۂ اجناس (بلا قصور جنین معاف - کذا) دیا جاتا تھا، کی تولیت قدیم دستور کے مطابق اسی خدمتِ تدریس سے وابستہ رکھی گئی تھی۔[1]

چند برسوں تک سید زادہ والد کے زیر سایہ اور اس کے گرانقدر کتب خانے کے خزانے سے علم و معرفت کے موتی چنتا رہا اور خود اپنے صدفِ تربیت میں بے مایہ قطروں کو گہر بناتا رہا مگر سیاسی سمندر میں ایک نہنگ پیدا ہوچکا تھا جس کا نام کھنوجی آنگرے تھا جس کی حیثیت بحری قزاق سے زیادہ نہ تھی اور جس نے کوکن سے لیکر ساونت واڑی تک کا علاقہ ہڑپ کرلیا تھا اور بھیونڈی۔ کلیان۔ راج مچی اور لوہگڑھ اس کے "حلقۂ صد کام" میں پھنس چکے تھے اسے تارابائی کی پشت پناہی حاصل تھی جس نے

---

[1] نقل فرمان والاشان ۱۵ صفر سنہ ۳۹ جلوس (مطابق سنہ ۱۱۰۶ ہجری)

rekhta

یہ سارا علاقہ سنہ ۱۷۱۰ء میں اُسے سونپ دیا تھا۔ ادھر دلّی میں بہادر شاہ ایک انحطاط پذیر سلطنت کا وارث بنا تھا۔ جب مغل جاہ و جلال کا آفتاب ڈھلنے لگا تھا اور مہاراشٹر میں پیشوائی طاقت اپنے نقطۂ عروج کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ راجہ ساہو شاہی نظربندی سے رہا ہو کر اپنے سرداروں کے دام میں اسیر ہو چکا تھا۔ جو سیاست کے صنمخانے میں اقتدار کے نئے لات و ہبل تراش رہے تھے۔

بدامنی اور بے یقینی کے ایسے دور میں کب تک سیاسی جھگڑوں سے علم کا چراغ بجھنے سے بچایا جا سکتا تھا۔ "یومیہ ملتا بھی تو کس خزانے سے؟ خود ان کی قدیم موروثی جاگیریں جنھیں وطن انعام بھی کہتے تھے ان کے دلوں کی جاگیروں کی طرح لُٹی جا رہی تھیں۔ رام چند رمہادیو چاسکر نے سنہ ۱۷۱۹ء میں غالباً کھنوجی آنگریا سے کلیان چھین لیا اور نہ صرف وہاں کے چودھریوں اور سردیش مکھیوں میاں جی ابراہیم اور حسن جی سے چودھرائی حقوق چھین لئے[1] بلکہ یہی وہ "غنیم لئیم" ہے جس کی طرف مختلف پروانجات میں اشارے کئے گئے ہیں جس نے خاندان سادات کا "انعامی وطن" ضبط کر لیا تھا[2]۔ سید شاہ محمد کے سامنے خاندان کی کفالت کا مسئلہ دانت نکوسے کھڑا تھا شاہی ملازمت کے سوا کوئی دوسری سبیل کسب معاش کی نظر نہیں آتی تھی۔ پھر اس کا بڑا بھائی نواب سید نورالدین محمد منصب سے سرفراز ہو کر ابھی ابھی اس کی درویشی سے

---

[1] चिंतामण वैजनाथ भिडे: शहर कल्याण: तरंग मार्च १९६२ अंक २रा

[2] نقل پروانجات (حسب الحکم) بمہر جملۃ الملک مدارالمہام وزیر الممالک اعتماد الدولہ قمرالدین خاں چین بہادر نصرت جنگ ۵ جمادی الاول سنہ ۱۲ جلوس ۱۳ جلوس وغیرہ

آگے گھوڑا بڑھا چکا تھا۔ شاہ محمد کو گو منصب وجاہ کی چاہ نہ تھی مگر اس کے سوا کوئی دوسری راہ بھی نہ تھی ـــــ علم کا چراغ مدرسے کے طاقچے پر اٹھا کر رکھ دیا۔ جوانی کی جولانیوں نے ایڑ لگائی سیدھا بہادر شاہ کے حضور (رمضان ۳ جلوس ۱۱۲۱ھ) پہنچا۔ بادشاہ خاندانِ سادات کا ارادت مند تو تھا ہی۔ یہ تو مرشد زادہ تھا اور آشفتہ حال، ایک صدی سوار اور آٹھ سو ذات (سپاہیوں) کے منصب سے سرفراز کیا اور کچھ عرصہ بعد ۱۱۲۱ ہجری ہی میں سُنبیر اور ہرسُل کی قلعداری اور جُنبیر کی فوجداری دے کر دکن بھیجا تاکہ بڑا بھائی کرناٹک میں مغربی گھاٹ کے اس طرف اور چھوٹا بھائی اُس طرف کوکن اور دکن کے پاسبان بن جائیں۔

قلعہ سندھولہ کی فتح (ربیع الثانی ۴ جلوس) سید شاہ محمد کا پہلا فوجی کارنامہ تھا اور یہی ترقی منصب کا بہانہ تھا۔ حضور شاہ میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد پرگنہ جہانگیر پور صوبہ دارالخلافہ شاہ جہان آباد میں جاگیر تنخواہ ملی اور منصب میں مزید اضافہ ملا[1]۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ہاتھوں میں سیکڑوں سواروں کی باگیں آگئیں مگر حوصلوں کے ہاتھوں سے عنان چھوٹنے لگی۔ اس کی روح میں چھپی ہوئی ازلی درویشی مضطرب ہو گئی۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو سپاہیانہ زندگی کے گرد و غبار میں سلوک وطریقت کے راستے چھپ چکے تھے، جہاں اب وہ اپنے سیکڑوں سواروں کی مدد سے بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ یہ دشمنوں کے قلعوں کے راستے نہ تھے علم و معرفت سے وصل کی شاہراہیں تھیں جہاں درویش کو اس کی ایک "ہو"

---

[1] یہ تمام تفصیلات قمرالدین خاں چین بہادر کے پروانوں میں درج ہیں۔

پہنچا دیتی ہے۔ سید شاہ محمد درویش کو موت و زیست کی صف آرائی پسند نہ تھی کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ چند بیگھے مٹی کے لئے ہزاروں معصوموں کو منوں مٹی تلے دبا دیا جاتا ہے اور کھیتوں کی کھڑی فصلوں کے ساتھ سروں کی فصلیں بھی کاٹ دی جاتی ہیں اُس کی درویشی مجروح ہو چکی تھی اور اسکی روحانی زندگی کی راہوں پر دھول اُڑنے لگی تھی۔ مگر دل کے طاقچے پر رکھا ہوا علم و معرفت کا چراغ ابھی تک ٹمٹما رہا تھا "جاذبۂ شوق" نے لَو ایسی بھڑکائی کہ چشم زدن میں جاہ و حشم کے خیمے جل کر راکھ ہو گئے۔ منصب و جاگیر کا استعفیٰ نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ درویشی کی وضع اختیار کی اور عزلت گزین ہو گیا (وضع درویشی و عزلت و تجرید و تفرید و عزم سفر بحر و بر اختیار کردہ۔)

مگر یہ کسی انفعالی تصوف کا وہ گوشۂ عافیت نہ تھا جس کے اندر دیگر بعض تارک الدنیا رہبانیت اور تجرید کی اکوہی حصار میں کھینچ کر معتکف ہو جاتے ہیں اور خدا سے رشتہ قائم کرنے کی دھن میں اس کے بندوں سے رابطہ توڑ دیتے ہیں شاہ محمد خود درویش تھا اور ان سارے درویشوں اور فقراء کا دستگیر بھی تھا جو خاندان سادات کے دست نگر تھے اور تکیۂ باوا حسین کے علاوہ سجادہ نشین کی ولایت میں ان کی برکتوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ یہ تلکوکن کے مختلف روضات سے وابستہ تھے۔ مگر جواب آشفتہ حال تھے اس لئے کہ اب لنگر اسلام آباد کے ٹوٹنے کا خطرہ تھا جو ہزاروں زندگیوں کا بیڑا اٹھاتا تھا۔ وہ سید قطب الدین محمد خود جلا وطن

یہ تمام تفصیلات قمرالدین خاں حسین بہادر کے پروانوں میں درج ہیں۔ پروانہ (اصل) مورخہ ۲ رجب ۱۲ جلوس

میں بالاگھاٹ اور پائیں گھاٹ (کرناٹک) کا صدر اور محتسب مقرر ہوا تھا[۵۱]۔ منصب صدارت بہت بڑا عہدہ تصور کیا جاتا تھا۔ یہ غالباً اپنے آبائی وطن اسلام آباد میں دفن ہے کیونکہ سید جاہ کا صندل آج بھی عرس کے موقع پر اٹھایا جاتا ہے۔ سید جاہ کی والدہ ارکاٹ کی تھی۔

سید شرف الدین محمد (۱۰۹۱-۱۱۱۱ھ)

سید قطب الدین محمد سجادہ نشین نے اپنی زندگی ہی میں سولہ سالہ بیٹے سید شرف الدین محمد کے نام ۱۱۲۲ھ میں درگاہ دلیران شاہ باباؔ صاحب اور خاندان سے متعلق تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ ہبہ کر کے گویا ایک طرح سے منصب سجادگی اور تولیت اوقاف پر اس کی جانشینی کی پہلی رسم ادا کر دی تھی جس پر سید زادے کا باقاعدہ تقرر سید صاحب کی رحلت کے بعد ۱۱۴۳ھ میں عمل میں آیا۔ مذکورہ بالا ہبہ نامہ میں سید زادے کا جو حلیہ درج ہے وہ بڑی حد تک والد بزرگوار سے مماثلت رکھتا ہے سوائے اس فرق کے کہ بیٹے کے چہرے پر چیچک کے چند متفرق داغ تھے اور بائیں کنپٹی کے نیچے تیر کا ایک زخم تھا[۵۲] مگر اس سے زیادہ گہرے گھاؤ زندگی کے بیدرد ہاتھوں نے دیے تھے جن کی تفصیل آگے آئیگی۔

---

۵۱ اصل سند صدارت مہری میر جملہ عبید خاں صدر الصدور فدوی احمد شاہ بہادر بادشاہ غازی، ۷ رمضان سنہ جلوس (۱۱۶۵ھ)

۵۲ دیکھئے عکسی تصویر ۲ ہبہ نامہ سید قطب الدین محمد۔

عہدِ وسطیٰ میں جاگیردارانہ معاشی نظام اور شہنشاہیت کے استبداد کا دائرہ عمل معاشرے کی ساری زندگی کو محیط کئے ہوئے تھا۔ اس دائرے میں بادشاہزادے سے لیکر درویش تک چکر لگاتے تھے۔ شاہی حکم کے بغیر نہ تو کوئی زمین کا مالک بن سکتا تھا اور نہ کوئی کسی مسجد میں امامت کر کے یومیہ حاصل کر سکتا تھا۔ ہر عہدے اور خدمت کا تعلق بادشاہ یا امراء کے احکام سے تھا۔ چنانچہ مذہبی و شرعی امور کے تمام عہدوں مثلاً صدارت، احتساب، قضاءت، امامت اور سجادگی و تولیت پر صدر الصدور کے حکم سے تقرر عمل میں آتا تھا۔[۵۱]

منصبداروں کو تنخواہوں کے عوض جاگیریں دیجاتی تھیں اور ائمہ کرام کو بطور مدد معاش و مدد خرچ آراضی عطا کی جاتی تھی تاکہ وہ ہمیشہ "دولت ابد طرازہ کے بقائے دوام" کے لئے دست بدعا رہیں۔ شاہی ملازمت خود اختیاری سے زیادہ مجبوری تھی۔ چنانچہ سید شرف الدین محمد بھی مجبور تھا ــــ اور منصب قبول کرنا ہی پڑا۔ سنہ ۱۱۴۰ھ تا سنہ ۱۱۵۶ھ تک پانصدی سوار و ذات کا منصبدار رہا اور ترقی کر کے صوبۂ دارالخیر اجمیر کی نیابتِ امانت و فوجداری و شقداری پر مامور ہوا۔[۵۲] نیز بادشاہ احمد شاہ کے عہد حکومت میں سنہ ۱۱۶۱ھ میں صدر الصدور و صدر جہاں عظیم اللہ خان بہادر کے حکم سے تلکوکن کے تمام قریات و قصبات کا قاضی مقرر ہو کر وطن لوٹا جہاں اسے مندرجہ ذیل دینی و شرعی امور کی انجام دہی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ تفنیوں

---

۵۱ فرامین سلاطین مولوی محمد بشیر دہلوی (دہلی سنہ ۱۹۲۶ء)

۵۲ نقل فرمان محمد شاہ ۱۵ محرم ۲۶ جلوس

اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔ مجرموں کو شرعی سزائیں دینا (اجراء حدود و تعزیرات)، اقامتِ جمعہ و جماعات، نکاح خوانی، جائداد کی تقسیم، لاپتہ لوگوں کے لاوارث اسباب اور یتیموں کی جائداد کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال کے لیئے وصی (ٹرسٹی) مقرر کرنا (حفظ اموال غیب وایتام وتعین اوصیا و ...)[۵۱]

غالباً خود سید زادے کی درخواست پر اسے تلکوکن بھیجا گیا تھا۔ وطن سے اسکی طویل غیر حاضری میں والد بزرگوار کا انتقال ہو چکا تھا۔ سید شاہ محمد درویش گوشہ نشین ہو کر یاد الہٰی میں مصروف تھا۔ نواب سید نورالدین محمد خاں کرناٹک کی قلعداری میں پھنسا ہوا تھا۔ ادھر قصبۂ اسلام آباد میں خاندان سادات کی حویلیوں پر عسرت کا منحوس سایہ ڈول رہا تھا۔ ناداری چپکے چپکے دہلیز سے آگے قدم اندر رکھ رہی تھی۔ سید زادے نے برسوں پہلے (۱۱۴۱ھ) میں قمرالدین خاں چین بہادر سے کہہ سن کر خزانۂ کرناٹک سے پانچ سو روپے سالانہ وظیفہ مقرر کرالیا تھا۔ مگر یہ بھی بھولی بسری یاد کی طرح سال دو سال بعد آتا تھا جس پر پانچ سو جانوں کا انحصار تھا۔ (بالتصد ذکور واناث بسبب عدم وجہ قوت پریشانی وتصدیع می کشند)[۵۲] علی دوست خاں کی نظامتِ دکن کے بعد یہ سلسلہ بھی ٹوٹ گیا۔ بارے برہان الملک صفدر جنگ کی سفارش سے ۱۱۶۳ھ میں پھر جاری ہوا۔[۵۳]

---

۵۱ پروانۂ صدرالصدور ۲۹ ذی الحجہ سنہ احد جلوس (مطابق ۱۱۶۱ھ)

۵۲ پروانۂ وزیرالممالک قمرالدین خاں چین بہادر ۲۵ رجمادی الاول سنہ ۱۱ جلوس

۵۳ نقل پروانۂ برہان الملک ابوالمنصور خاں بہادر صفدر جنگ ۱۴ ذیقعدہ ۳ جلوس مطابق ۱۱۶۳ھ

خاندانی و درگاہوں کی موروثی و اوقافی جاگیریں ابھی تک پیشوائی عمل ضبطی میں تھیں۔ پرگنہ گلشن آباد میں ناندور دیسک اور ارڈگاؤں کے مواضع میں جو زمینیں تھیں وہ سید صاحب مرحوم کی سخاوت کے سبب، خود ان کے ایک مرید میران خاں کی میراث بن چکی تھی، جب مفلسی پڑی تو یہ انعام بھی جاتا رہا۔ سید قطب الدین محمد خان بہادر نے جو باپ کی جگہ کرنالا کا قلعہ دار تھا، روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ تو امیروں کے سوکھے دھانوں پانی پڑا۔ پنڈت پردھان پیشوا نے بحالی کی سند بخشی، مگر موضع ارڈگاؤں میں ایک چادر[۵۱] زمین ۱۱۸۱ھ تک ملہار راو کی عمل ضبطی میں رہی۔ اسی طرح قدیم دیہی جاگیریں پرگنہ دیہر کورٹھ، پیمن، واسندری وغیرہ جن کے حاصل سے سات روضوں بالخصوص علی المہائمی کی درگاہ اور مساجد وغیرہ کے اخراجات پورے کیے جاتے تھے، ابھی تک دست تصرف سے دور تھیں۔ محمد شاہ رنگیلے کے ایوان عشرت کے دروازے پر آواز دی تو تین سال بعد ۱۱۴۹ھ میں تلکوکن کے حکام کے نام بحالی و تجدید کا فرمان بھیجا۔[۵۲] وزیر الممالک قمرالدین خاں چین بہادر کو پکارا تو اسے بھی اپنی اس ارادتمندی کا جو سے سید قطب الدین محمد سے تھا بھرم رکھنا پڑا۔ ۱۱۵۱ھ میں مقامی حکام کے نام پروانہ صادر کیا[۵۳]۔ مگر یہاں دکن کے نقارخانے میں نہ تو محمد شاہی آواز سنائی دیتی تھی اور نہ قمرالدین چین بہادر کی للکار۔ کوکن کے مرہٹہ عملدار اس وقت لسبتین کی مہم سر کرنے میں مصروف تھے

---

۵۱ فارغخطی ایضاً۔ ایک چادر = ۱۲۰ مربع بیگھہ

۵۲ نقل فرمان عالیشان ۱۷ ربیع الثانی ۱۹ جلوس (۱۱۴۹ھ)

۵۳ نقل پروانہ قمرالدین خاں چین بہادر ۹ جمادی الاول سنہ ۲۱ جلوس (۱۱۵۱ھ)

(۱۷۴۶ء) دربار سے غالباً قمر الدین ہی سے ایک شقہ پیشوا کے نام لیتا آیا۔ یہ زمانہ وہی تھا جب وہ تلکوکن اپنی خدمت قضات پر آرہا تھا شقہ کا نفس مضمون یہ تھا۔

"واسندری پرگنہ اسلام آباد بھیمڑی۔ ٹپہ بین پرگنہ سانکھشہ اور دیہات پرگنہ و پیر کورٹھ، ان کے علاوہ ٹپہ سونولہ (پرگنہ اسلام آباد) میں چند قطعات زمین اور چار چاور اراضی راہور ٹپہ واقع پرگنہ اسلام آباد میں قدیم فرامین واسناد درگاہی کی رو سے حقائق و معارف آگاہ سید قطب الدین مرحوم سجادہ نشین تلکوکن کی اولاد کے لئے وقف ہیں۔ ان شاہی عطیات کو بھی راجاؤں نے بحال رکھا ہے اور تسلیم کیا ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی حسب دستور قدیم ان انعامات کو سید شرف الدین سجادہ نشین اور اس کے متعلقان کو لوٹا دیں گے۔"

(اصل شقہ مرقومہ ۱۹ رجمادی الاول ۳۰ جلوس ر ۱۱۶۰ھ)

اس شقہ کا اثر کیا ہوا اسکا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ اتنا ضرور ہوا کہ ۱۱۶۲ھ میں بیجاپور اور نلدرگ کے اضلاع سے جو دو مواضع عالمگیر نے اس کے والد مرحوم اور چچا سید محی الدین کو مدد معاش اور درگاہ دیوان شاہ، خانقاہ، مولود اور مدرسہ اسلامیہ قادریہ کے اخراجات کے لئے دیئے تھے[۱]، ان کی بحالی عمل میں آئی۔ اس کی وجہ

[۱] (اصل) پروانہ مہری وزیر الممالک ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ فدوی احمد شاہ بادشاہ غازی ۲۴ ر ذی قعدہ ۱ احمد جلوس مطابق ۱۱۶۱ھ

شاید یہ تھی کہ یہ علاقہ مرہٹہ عملداری سے خارج تھے۔ مگر ان دورافتادہ جاگیروں اور اسلام آباد کے مابین مہینوں کے دوش پر پھیلا ہوا فاصلہ تھا اور پھر قرونِ وسطیٰ کی زرعی معیشت (اکانومی) تو جموو کی حد تک سست عمل تھی۔ لہذا تنگدستی کی وجہ سے وہاں تک ہاتھ بھی نہ پہنچ پاتا تھا۔

لے دے کے کوار بزرگ، کو لیولی اور جیپل گھر کے قریات تھے جن کی آمدنی سے خاندان کی کفالت ہوتی تھی اور مختلف روضوں، مسجدوں اور مدرسۂ اسلامیہ قادریہ کے اخراجات جیسے تیسے پورے کیے جاتے تھے۔ عرس کے اخراجات کے لیے آمدنی کا الگ صیغہ پہلے سے مقرر تھا۔ اس میں زمینوں، گھروں اور دوکانوں کا کرایہ، چراغی، اور علاقوں کے نذرانے اور آم، املی اور کرنج کے درختوں کی بافت شامل تھے۔ مگر اخراجات کے مقابلے میں یہ ساری آمدنی اتنی قلیل تھی کہ سید شرف الدین محمد خود اپنے ذاتی اندوختے سے عرس کے انتظام میں خرچ کرتا تھا۔ صرف میلے کی روایتی شان اور بزرگی کے نام کو برقرار رکھنے کے لیے۔[۱]

سید شرف الدین محمد کا خاندان ادبار میں گھر چکا تھا۔ حویلی معتبر خاں ۱۱۶۳ھ میں شاہ محمد درویش کی توسط سے فروخت ہوئی کچھ عرصہ بعد سید شاہ محمد درویش بھی چل بسا۔ ادھر اس کے ماتم کا سیاہ لباس اترا بھی نہ تھا کہ سب سے بڑے بھائی نواب سید نورالدین محمد خاں کا سہارا بھی جاتا رہا۔ اس کے جانشین بیٹے سید قطب الدین محمد خاں بہادر نے باپ کی تمام روایات کو بالائے طاق رکھکر اپنے چچا

---

[۱] کارنخلی سید اکبر علی خاں ۹ ربیع الثانی ۱۱۸۱ھ

کا ماہانہ مشاہرہ بھی بند کر دیا جو اُسے بڑے بھائی کی جانب سے ملتا تھا۔ سید شرف الدین محمد نے اپنی نامکمل یادداشت میں لکھا ہے کہ میں نے بھائی کے ترکے سے از روئے شرع اور دستور خاندان (لوزہ) کے مطابق اپنا حصہ بھتیجے سے مانگا تو اس کی بھی داد نہ دی لہذا مجبور ہو کر اس نے قانون کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ دروازہ پیشوا کے محل کا تھا جہاں وہ قصبۂ اسلام آباد کی ایک بارسوخ شخصیت محمد تقی خطیب خلف محمد زماں مرحوم کی رفاقت میں گیا۔ پیرزادے نے خطیب کو بطور "حق السعی" ایک ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔

جب دونوں "دربار عالم مدار"[51] سے مایوس لوٹے تو ساشٹی کے صوبہ دار راجی دیپاؤ صاحب سے سفارش کرنے کی درخواست کی مگر سید قطب الدین خان بہادر نے دس ہزار کی خطیر رقم کی رشوت سے سفارش کا منہ بند کر دیا[52] ادھر سارے تلکوکن میں افواہوں کی زبانیں کھل چکی تھیں۔ کلیان اور ساشٹی کے صوبہ داروں کو بھی خطیب کے تقاضے اور حق السعی کی مقررہ رقم کا پتہ چل گیا تھا۔ لہذا خطیب نے اپنے موقف میں تبدیلی اور رشن میں ناکامی کے پیش نظر معینہ رقم سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ رفاقتِ سفر اور زادِ راہ کے لئے پیرزادے نے جو پچھتر روپوں کی رقم دی تھی اس کا ایک قبض الوصول لکھ کر دیدیا اور عوام کی اطلاع کے لئے بطور سند لادعویٰ ایک شہادت نامہ، ۲ر ذی قعدہ ۱۱۷۰ھ میں مرتب کر کے پیش کر دیا

---

۵۱ (اصل شہادت نامہ (یا ابراز نامہ) سید محمد تقی خطیب، ۲ر ذی قعدہ ۱۱۷۰ھ

۵۲ یادداشتِ سید شرف الدین محمد۔

جس پر مندرجہ ذیل عمائدین قصبہ و مضافات کی گواہیاں، مہریں اور دستخطیں ثبت ہیں[۵۱]

(۱) نشان صحیح محمد تقی خطیب (۲) گواہ شد میاں خطیب برادر محمد تقی۔ (۳) مہر غلام رسول باقرار محمد تقی (۴) ملا علی خطیب۔ تتوالہ (۵) گواہ شد غلام محی الدین نزول (۶) شہد بما فیہ، محمد محی الدین سابہ معہ (۷) مہر گواہی سید معظم (۸) گواہ شد احمد ولد محمد حسین تمج محمد (۹) گواہ شد محمد رضا بھانول (۱۰) گواہ شد محمد رومان ساکن قصبہ کلیانی (۱۱) دستخط غلام علی ولد غلام احمد چودھری سرکار تلکوکن نظام الملکی صوبہ خجستہ بنیاد۔

اس کے علاوہ چند دستخطیں موڑی رسم الخط میں ہیں۔

چند برسوں کی خاموشی کے بعد از روے مصلحت سید قطب الدین محمد خان بہادر نے ۱۱۷۶ھ میں اپنے چچا صاحب و قبلۂ دو جہاں سید شرف الدین محمد خاں صاحب کے لئے مقررہ مشاہرے کا نصف بھیمڑی و کلیان حال کے ٹکوں کے وزن سے جاری کر دیا[۵۲] اس اقرار کے ساتھ کہ چچا صاحب کے بعد اس کے پسماندگان کے لئے بھی یہ سلسلہ جاری رکھیگا۔ حویلی کلاں جو سجادہ نشین کی اقامت گاہ بھی اس کی حقیت سے بھی اپنی دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اسی طرح سید اکبر علی خاں ولد سید جاہ محمد نے بھی ۱۱۷۹ھ میں ایک "سند لادعوا و کفالت" لکھ کر دے دیا جس کی رو سے حویلی پختہ کلاں، اس کے لواحق اور طویلے پر اس کا جو موروثی حق

---

[۵۱] شہادت نامہ ایضاً

[۵۲] یادداشت (اصل) مہری سید قطب الدین خان بہادر غرہ ماہ ذی حجہ ۱۱۷۶ھ

وحصہ تھا۔ وہ اس کے جد بزرگوار (دادا صاحب) سید شاہ محمد درویش کے چار ہزار قرض تمسک کے عوض سید شرف الدین محمد کے نام منتقل ہوگیا جس نے یہ قرضہ دیا تھا[۵۱] سرکار ہونکر نے بھی اشکر شوئی کی غرض سے ۱۱۸۳ھ میں تین سو روپوں کا سالانہ وظیفہ سجادہ نشین کے لیے مقرر کر دیا[۵۲]

مگر مالی امداد کے یہ سارے ذرائع مفلسی کا بڑھتا ہوا قدم روک نہ سکے۔ ۱۱۶۵ھ تا ۱۱۸۹ھ کا زمانہ سجادہ نشین کی طویل زندگی کا سب سے درد انگیز دور تھا جب تھانہ کے علاوہ قصبۂ اسلام آباد کے پتامبر جیون داس ساہوکار کے قرضوں کے اصل و سود کی چکیاں اسے پیستی رہیں[۵۳] کھاروں کو گروی رکھنے کی نوبت آگئی تھی جس کے کرایہ دار حسن محمد و بادہ بدر الدین آنجا تھے[۵۴] یہی تھی و ستی نے مستورات کے زیورات پر بھی ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا۔ انگوجی سنار کے پاس کچھ تھے رہن رکھے گئے اور کچھ اس کے بھائی بالا سیٹھ کے ہاتھوں بیچنے پڑ گئے[۵۵] ادبار اور عسرت نے سارے خاندان کے گرد گھیرے ڈال دیے تھے۔ مشترکہ خاندان کی وحدت پر آخر ایک دن تقسیم اور بٹوارے کی قینچی چل گئی[۵۶]

---

۵۱ (اصل) سند نامۂ اواو کفالت مورخہ غرہ شوال ۱۱۶۹ھ مہری سید اکبر علی خاں

۵۲ (اصل) قبض الوصول مہری سید شرف الدین محمد خاں ۲۸ شعبان ۱۱۸۳ھ

۵۳ (اصل) تمسک مہری سید شرف الدین محمد خاں، محرم ۱۱۸۴ھ، ۱۱۸۶ھ (اصل) تمسک شعبان ۱۱۸۶ھ

۵۵ (اصل) تمسک مہری سید شرف الدین محمد خاں ۶ ذی قعدہ ۱۱۸۹ھ

۵۶ قسمت نامہ بمہر شریعت پناہ قاضی حیدر ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۸۱ھ

بعض وارثوں نے گلشن آباد کی موروثی جاگیر میں سے اپنے حصے جو بطور مدد معاش خاندان کے لئے وقف تھی "بسبب عسرت و پریشانی" فروخت کردیے [۵۰] یہ جاگیر پردھان بالاجی راؤ اور رگھوناتھ باجی راؤ کے عمل ضبطی سے خاندان سادات کے ایک قرابت دار حاجی غلام امام حسین خلف محمد یٰسین خاں ابن حاجی احمد لبا نے در پیرزادے کی کوششوں سے سنہ ۱۱۹۰ھ میں بحال کردی گئی تھی [۵۱]۔ تنگدستی میں سخاوت کا دامن ہاتھ سے پھر بھی چھوٹنے نہ پایا۔ تمام وارثوں نے اپنے حصے سے منجملہ سترہ بیگھے زمین حاجی موصوف کو بعوض حق السعی ہبہ کردی [۵۲]

سید شرف الدین محمد نے اپنی زندگی ہی میں ایک ہبہ نامہ کی رو سے اپنی ساری جائداد اپنے بیٹے صلاح الدین، بیوی بدر النساء بیگم اور دیگر متعلقان کے نام منتقل کر دی تھی [۵۳]۔ جو مندرجہ ذیل املاک پر مشتمل تھی۔

(۱) حویلی کلاں پختہ (۲) باڑی (کلاں) (۳) بکھاروں کی زمین (۴) دوکان (بازار خورد آلا اجی سیٹھ) (۵) بکھاریں (کرایہ دار حسن محمد آبا، محمد جی بنسالے اور بدر داتگا) (۶) زر خرید حویلی محمد ملنگ نانکری (۷) موضع نادور ولیپک اور قصبہ گلشن آباد کی انعامی زمینیں۔

---

۵۱ بیعنامہ (خستہ) ربیع الثانی سنہ ۱۱۸۱ ہجری

۵۲ ایضاً

۵۳ ہبہ نامہ جمادی الاول سنہ ۱۱۸۱ ہجری
(اصل) ہبہ نامہ (نا مکمل)، دوسرا نسخہ مکمل (نقل)

rekhta

وارثوں کے نام یہ ہیں :- سید میر صلاح الدین، بدر النساء، شمع روشن، انجمن، نور تن، انچل، جمعیت اور فاطمہ بی بی زوجہ میر صلاح الدین (در عوض مہر)[۵۱]
سجادہ نشین نے اسی ہبہ نامہ میں اپنے بیٹے صلاح الدین اور بیوی بدر النساء کو وصیت کی ہے کہ وہ تمام معاملات مہمات اور مقدمات میں اس کے بھتیجے نواب سید قطب الدین محمد خان بہادر کے مشورے پر عمل کریں، اسے خلیفہ تسلیم کریں اور اس کی تحویل میں وہ قرآن پاک دیں جو حضرت دیوان صاحب قدس سرہٗ نے خود اپنے دست مبارک سے لکھا ہے اور جس میں وہ خود تلاوت کرتے تھے۔ کیونکہ یہ ورثہ ایک مملکت اور سلطنت کی نعمتوں اور دولتوں سے کم نہیں ہے اور حضرت قدس سرہٗ کے ہر تیسرے سال کے عرس کا انتظام سید صلاح الدین کو انجام دینے کی تلقین کی ہے۔[۵۲]
حالانکہ مذکورہ بالا ہبہ نامہ میں سید شرف الدین محمد نے جائداد فروخت نہ کرنے کی وصیت کی تھی مگر آنے والی نسل نے اس پر سختی سے عمل نہیں کیا جیسا کہ ایک بیعنامے سے پتہ چلتا ہے جو "سوادِ قصبہ گلشن آباد متصل ہیرا آری کی زمین وظائف" سے متعلق ہے۔ اس میں میر صلاح الدین ابن سید شرف الدین محمد کے ان فرزندوں کے نام ملتے ہیں (۱) میر فلاح الدین محمد خاں (۲) میر شرف الدین (۳) میر نور الدین اور (۴) میر فقیر علی۔[۵۳]

---

۵۱ ایضاً

۵۲ ایضاً۔ یہ نسخہ کلام پاک سید صلاح الدین صاحب (مارکیٹ روڈ) بھیمڑی کے قبضے میں ہے۔ ملاحظہ ہو عکسی تصویر نمبر ۱

۵۳ (نقل) بیعنامہ (خستہ و غیر مؤرخہ)

عرس درگاہ دیوان شاہ بابا صاحبؒ

گو درگاہ دیوان شاہ بابا صاحبؒ کی بنیاد جنوبی دروازے کے کتبے کی رو سے ۱۱۱۲ھ مطابق ۱۶۹۹ء میں ڈالی گئی مگر بادشاہ عالمگیر کے ۱۰۹۱ھ (۲۳ ویں سال تخت نشینی یا جلوس) کے ایک فرمان کے حوالے سے اندازہ ہوتا ہے کہ "مقبرہ قدوۃ الواصلین شیخ حسین قادریؒ" [صاحب] کا وجود سال مذکور میں تھا۔ ممکن ہے یہ اسی کی دوسری عارضی عمارت ہو یا پھر بانیٔ درگاہ نے اصل عمارت پہلے بنوائی ہو اور بعد میں گنبد عالی شان یا "قبۃ الشرف" کی تعمیر بارہ سال میں مکمل ہوئی ہو جیسا کہ چاروں دروازوں کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی عالمگیری فرمان کی رو سے ضلع نلدرگ سے موضع پنالہ یا پنہالہ مقبرے کے علاوہ مولود خانقاہ اور مدرسے کے اخراجات کے لئے وقف کر دیا گیا تھا۔[1] "مولود" سے عرس کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے جس کی سالانہ تقریب کی بنیاد بھی بانیٔ درگاہ سید قطب الدین محمد کے ہاتھوں پڑ چکی تھی جو درگاہ دیوان شاہ کے پہلے سجادہ نشین بھی تھے اور جن کے نام مذکورہ بالا عالمگیری فرمان صادر ہوا تھا۔

آپ کے بعد عرس کا "سرانجام" آپ کے جانشین بیٹے سید شرف الدین محمد کے

---

[1] (اصل) پروانہ مہری ابوالمنصور خاں صفدر جنگ ۱۱۶۱ھ جلوس (مطابق ۱۱۶۱ھ)

فرائض منصبی کا حصہ بن گیا اور عرصے تک غالباً ۱۲۹۱ھ تک اسی گھرانے میں اسکا سلسلہ قائم رہا۔ ۱۱۸۰ھ[۵] کے ایک فارغ خطی کی رو سے سید شرف الدین محمد سجادہ نشین اس کے بھتیجے نواب سید قطب الدین محمد خان بہادر اور اس کے بھائی سید شاہ محمد درویش کے پوتے سید اکبر علی خاں تینوں نے باری باری ہر سال عرس اپنے خرچ سے کرنے کا ٹھہرایا تھا؛ یہی وجہ ہے کہ سید شرف الدین محمد کے ہبہ نامہ میں میر صلاح الدین کو ہر تیسرے سال عرس کا انتظام کرنے کی وصیت کی گئی ہے۔ اسی فارغخطی کی رو سے یہ بھی طے پایا تھا کہ اس سالِ عرس کی تمام آمدنی (محصول و پیدائش) کا حقدار بھی وہی ہوگا جو عرس کا مہتمم ہوگا۔ آمدنی کے ذرائع یہ تھے:

درگاہ کے محاصل میں چراغی اور غلاف، تالاب نصر اللہ۔ درگاہ سے متصل آموں کے باغ (راتبرائے) عبداللہ باڑی اور تکیہ باوا حسین میں املی؛ کمرنج اور درگاہ کے روبرو آموں کے چند درختوں کی یافت وغیرہ۔

۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ کے ایک اصل شہادت نامہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ عرس کا سر انجام اور درگاہ و خانقاہ کی تولیت بطور میراث سید شرف الدین محمد کے گھرانے میں رہی مگر اسی سال سے درگاہ اور اوقافی جاگیروں کے محاصل و پیدائش سے یہ گھرانا بسبب عدم توجہی محروم رہا حالانکہ اصل حقدار اسی خاندان کے افراد تھے جو سید شرف الدین محمد کی اولاد میں سے تھے جن کے نام پر شاہی مہروں کے ساتھ پرگنوں کی انعامی جاگیروں کی سندیں عطا ہوئی تھیں

---

[۵] فارغ خطی سید اکبر علی خاں ۹ ربیع الثانی ۱۱۸۰ھ

اور جو بطور میراث اُن تک پہنچی تھیں (بمہر سلطانی مثبت اند نزد خود دارم از اجداد خود بطور میراث بدست ...... رسیدہ [کذا؟] سید صلاح الدین جس کا نام کا سلسلہ اس طرح چلتا ہے: "سید صلاح الدین[۱] بن سید شرف الدین بن سید صلاح الدین بن سید شرف الدین بن سید قطب الدین سجادہ نشین بزرگان تلکوکن ......" یہ شہادت بتصدیق حال کی گواہی کے لیے پیش کیا گیا تھا جس پر مندرجہ ذیل اہالیان شہر کی فارسی، مو ڑی اور گجراتی میں دستخطیں موجود ہیں۔

(۱) حاجی سید محمد شاہ قادری ولد سید شاہ قادر قادری دستخط خود۔

اسلامیہ قادریہ اسلام آباد المشتہر بھیمڑی عفی عنہ وعن والدیہ۔

(۲) العبد خادم الشرع قاضی غلام احمد

(۳) خادم الشرع قاضی محمود

(۴) العبد الفقیر خادم الشرع محمد علی بن احمد علی مولوی بقلم خود۔

(۵) لاشک ان تولیۃ المزار المتبرک فی ید ہذا المقر مع اخوانہ کتب العبد شرف الدین بن محمد سعید مدرس مدرسہ

(۶) بیچمرز بالیقین وزیر الدین ولد سید اللطیف سکنہ شہر ناگپور - مدرس ثانی مدرسہ سرکاری شہر اسلام اباد المشتہر بھیمڑی

(۷) العبد قاضی عمر الدین کرم بخش مدرس مدرسہ سرکاری ہندوستانی ۳ بقلم خود معلم درجہ اول در قصبہ اسلام آباد

---

[۱] سید صلاح الدین (مارکیٹ روڈ بھیمڑی) جنھوں نے اپنے یہ خاندانی کاغذات دیے ہیں۔ مذکورہ بالا سید صلاح الدین کو اپنا پر دادا بتاتے ہیں: صلاح الدین ابن عبد العزیز ابن شرف الدین ابن صلاح الدین ......

rekhta

عرف بھیمڑی

(۸) محمد امین ابن شہاب الدین خطیب۔ از دست خود۔

(۹) قاضی کمال الدین ابن قاضی علی صاحب مدرس اول مدرسہ سرکاری ساکن اسلام آباد عرف بھیمڑی۔

(۱۰) حسام الدین ولد شیخ صاحب۔

(۱۱) کتبہ خادم الطلاب۔ بندہ احقر العباد شیخ محی الدین ابن نظام الدین ساکن قصبہ [اسلام آباد عرف بھیمڑی بدست خود]

(۱۲) دستخط شیخ محی الدین سرور

(۱۳) العبد غلام محمد ولد عبید پٹیل مدرس درجۂ دوم ساکن اسلام آباد بھیمڑی

(۱۴) قمر الدین ابن ابراہیم ناخواد دستخط خود

(۱۵) قاضی محمد بن محی الدین متوطن اسلام آباد عرف بھیمڑی

(۱۶) تابع شرع مسعود بن حضرت شاہ مولوی ساکن اسلام آباد عرف بھیمڑی بقلم خود

(۱۷) غلام محی الدین ابن شیخ ولی، ضلع مہے لدن ژویال دستخط

(۱۸) عبد القادر ابن شیخ محمد اسحاق مقری دستخط خود ساکن اسلام آباد عرف بھیمڑی

(۱۹) خادم الطالبین محمد صدیق بن شیخ محی الدین گوریکر ساکن قصبہ اسلام آباد عرف بھیمڑی دستخط خود

(۲۰) غلام حسین ولد بالا فقیہ از دست خود

(۲۱) درویش غلام نبی پٹیل (موڑی)

(۲۲) بابا ملا قادر کھالکر خود نوشت (موڑی)

(۲۳) غلام حسین عبد القادر (گجراتی)

(۲۴) عبد القادر ولد نبی بخش مٹکر (موڑی)

(۲۵) مخدوم۔ ولد پاٹل دستخط (")

(۲۶) غلام حسین بدست خود (")

(۲۷) ——— ولد شیخ صاحب آدم غفور (")

(۲۸) سید محی الدین بن سید علی محمد مطابق صحیح اشخاص صحیح کردہ شد۔ فقط

(۲۹) حسن محمد ابن محمد علی صاحب قاضی بقلم خود۔

درگاہ روضہ و بنگلہ شیخ سلیمان وغیرہ کی مرمت اور نگرانی وغیرہ کے مصارف، اوقاف کی آمدنی سے ہوتے تھے اور ان حسابات کی تصدیق و تنقیح کے لئے سجادہ نشین

یا عرس کرلینے والے مہتمم کو حسب ضرورت استشہاد نامہ صادر کرنا پڑتا تھا جس پر عمائدین قصبہ کی گواہیاں، مہریں اور دستخطیں ہوتی تھیں جیسا کہ ۱۱۸۲ھ میں سید اکبر علی خاں نے جمہور کی اطلاع کے لئے شائع کیا تھا۔ اس پر مندرجہ ذیل اشخاص کے نام ملتے ہیں :۔

(۱) دستخط شہادت غلام احمد ولد غلام محی الدین (۲) دستخط غلام علی ولد غلام احمد ابن محمود جی علی چودھری پرگنہ اسلام آباد وسر دیشپکھ سرکار تلنگوکن نظام الملکی خجستہ بنیاد (۳) الواقف علیہ خادم الطلبہ محمد معمور (۴) کذا اسمعہ الحاجی رجب (۵) شہد بمافیہ حافظ غریب اللہ ولد عثمان جاروب کش درگاہ مقدسہ (۶) شرف الدین محمد۔ مہر گواہی نمودہ شد (۷) شہد بمافیہ محمد صدیق ولد محمد علی بیلیہ (۸) گواہ شد قاضی محمد علی لسن ولد قاضی صدیق لسن (۹) من الواقفین غلام علی ولد محمد ملنگ [نانکری] (۱۰) گواہ شد محمد ابراہیم بوہرہ (۱۱) وقفت علیہ محمد مقری ولد شیخ یحییٰ کہاری (۱۲) گواہ شد محی الدین ابن باوا ملکوجی ناخوا نمک فروش

ہر سال عرس کے موقع پر نذر اور چڑھاوے دینے والوں میں ہزاروں مسلمان زائرین کے ساتھ غیر مسلم معتقدین بھی ہوتے تھے جو عموماً ایندھن، گھاس، ناریل، دودھ، مرغ پان، سپاری (برگ تنبول) وغیرہ چڑھاتے تھے۔ ان میں سے بعض اشیائے خوردنی مثلاً روغن اور چاول (برنج) لنگر کے لئے کام آتے تھے۔ اس کے علاوہ روزنشان اور روز صندل پھول کی چادریں، غلاف اور شیرنی نذر کئے جاتے تھے، نقد چراغی میں فقرائے قادریہ و مداریہ کا بھی حق ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ حمالی، نقارہ (نگارہ) اور فتیلہ بھی معتقدین کی جانب سے دیے جاتے تھے۔ ایک یادداشتِ نذر و نیاز میں

حسب ذیل نام ملتے ہیں :۔

(۱) گوپال پٹیل (ناریل) (۲) سید محی الدین (۳) قادر مخدوم
(۴) بابو خوت (۵) حسن محمد وبہ (۶) جعفر پٹیل
(۷) عبدالقادر رئیس (۸) شیخ محی الدین پھیکری (۹) امین الدین خطیب
(۱۰) باقر خطیب (۱۱) عبدالقادر رئیس (۱۲) امام واندرکھہ
(۱۳) مابدوبہ (۱۴) شہاب الدین ہونے (۱۵) قادر صاحب جمو جوز
(۱۶) شیخ محی الدین میٹ کر (۱۷) علی باوا الہاسے (۱۸) سید ابوالحسن
(۱۹) قطب الدین (۲۰) حسن علی ندا [ف] (۲۱) جمعدار سرکار
(۲۲) انجمن ہوا۔

سرکاری گزیٹیر[۱] (مطبوعہ ۱۸۸۲ء) میں قصبہ کے دو عرسوں کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے :۔

(۱) عرس امام شاہ علی (ایپانی شاہ) جو بیساکھ (مئی جون) میں منایا جاتا ہے اور جس میں ہزاروں زائرین شرکت کرتے ہیں اور

(۲) عرس حضرت پیر شاہ حسین قادریؒ (متوفی ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۵ء) جو عرف عام میں حضرت دیوان شاہ صاحبؒ کہلاتے ہیں۔ ان کا عرس ہر سال اپریل یا مئی میں ہوتا ہے تین ہزار آدمیوں سے زیادہ لوگ شریک ہوتے ہیں جس میں سب سے زیادہ مٹھائی، بچوں کے کھلونے اور دیگر فینسی چیزوں کی فروخت ہوتی ہے۔

---

[۱] تھانہ گزیٹیر جلد ۱۳ حصہ اول ص ۲۸-۲۲۷ ؛ حصہ "قابل دید مقامات" ص ۴۸

rekhta

شجرۂ خاندان سادات

حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر جیلانیؒ کی سولھویں پشت میں سید محمد صالح (؟)

سید شاہ محمد (شوہر فاطمہ بنت حضرت دیوان شاہ)

سید قطب الدین محمد سجادہ نشین سنہ ۱۰۶۵-۱۱۲۴ھ — سید نور الدین محمد بدر النساء — سید محی الدین — خدیجہ

نواب سید نور الدین محمد خان بہادر (م سنہ ۱۱۶۹ھ) — سید شاہ محمد درویش سنہ ۱۱۴۳ھ — سید شرف الدین محمد سجادہ نشین سنہ ۱۰۹۱-۱۱۱۱ھ — سید ناصر الدین شہید — فاطمہ بیگم زوجہ مخلص علی خان

سید جاہ محمد

سید اکبر علی خاں — عزیزۃ النساء عرف ذرۃ بیگم

اجمل — جمعیت — نورتن — انجمن — شمع روشن — سید صلاح ا[لدین]

نواب سید قطب الدین خان بہادر — سید وجیہ الدین — شمس النساء بیگم — فاطمہ بیگم (زوجہ سید مکی خاں) — عنایت بیگم — رحیم النساء بیگم

زینت النساء بیگم (زیب النساء بیگم)

عنایت بیگم — غلام قادر

میر فلاح الدین محمد خان — میر شرف الدین محمد خان — میر نور الدین محمد خان — میر فقیر علی خا[ن]

صلاح الدین (بحوالہ شہادت نامہ سنہ ۱۲۹۱ھ)

نوٹ:- یہ شجرہ حوالہ شدہ اسناد و قبالات کے علاوہ دیگر کاغذات کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔

ی تصویر نمبر ۲ چند قبالات و اسناد (خط شکستہ) ۔ جن کے
حوالے اس کتاب میں جابجا دیے گئے ہیں ۔

کسی مذہب یا فرقے

نہیں ہے یہ ہمارا قومی

ہے، اب وقت آن پہنچا ہے کہ ہم اس کی بقاء و تحفظ

لئے میدان عمل میں آئیں اور ہر ممکن قربانی کے لئے تیا

جائیں۔

ع قد و گیسو سے اپنا سلسلہ دارورسن تک ہے

اپیل کنندہ مجلس عاملہ

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بھیمڑی

۱) فیضی نظام پوری صدر ۲) مومن یوسف حسن سک

۳) مشتاق احمد سہیل خازن ۴) عبداللہ ہانی جائنٹ سک

۵) زیڈ عابد ممبر ۶) محمد عمر شفق ممبر

۷) محمد امیر ممبر ۸) عبدالرزاق محمد یسین ممبر

۹) ظفرالاسلام ممبر

سرورق آشا پرنٹری، بھیمڑی میں شائع کیا گیا

rekhta

GHALIB ACADE